بسم اللہ الرحمن الرحیم

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

تحقیقی وتوقیتی مطالعہ: (حصہ جدلیات)

تیئیسویں قسط

پروفیسر ظفر احمد

ABSTRACT

It is the 23rd part of a long chain of articles.The existing one deals with the well established validity and the authenticity of the SUNNAH of the Holy Prophet (SAW).It accordingly refutes the bogus dogmas and the deceitful concepts of the disbelievers in general and those of the Pervezi school of thought in particular.

فتنۂ انکارِ حدیث تشقیقِ جدلی کی زد میں

پہلا حصہ: حُجّیتِ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو دینی اصطلاح میں سنت کہا جاتا ہے۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے کسی نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا تو آپ اس پر خاموش رہے ہوں اور منع نہ فرمایا ہو۔ یعنی آپ نے اپنی خاموشی سے اس بات اور اس کام کے صحیح ہونے کی تصویب وتائید فرمادی ہو، ورنہ اللہ کا نبی کسی بھی خلاف شریعت قول وفعل پر ہرگز سکوت اختیار نہیں فرماتا۔ یوں آپ کے اقوال آپ کی سنت قولی اور آپ کے افعال سنت فعلی میں شامل ہیں اور دوسرے کسی فرد یا افراد کے قول وفعل پر آپ خاموش رہیں تو یہ سکوت آپ کی سنت تقریری یا سکوتی میں شامل ہے۔ سنت کو کلمات والفاظ

میں بیان کرنا حدیث کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سنت قولی میں آپ کا قول شامل ہے لیکن سنت فعلی میں آپ کا قول نہیں بل کہ آپ کا فعل شامل ہے۔ فعل پر گو لفظ قول کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن آپ کے اقوال کی طرح آپ کے افعال اور تقریرات کو صحابہ کرامؓ نے الفاظ وکلمات کے جامے میں ملبوس کیا ہے لہٰذا وہ بھی لغوی اعتبار سے حدیث (بات اور کلام) میں شامل ہو گئے۔ اس لئے سنت وحدیث میں گو بعض لطیف امتیازات موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اکثر وبیشتر ان دونوں کو باہم مترادف (ہم معنیٰ) قرار دیا جاتا ہے۔ آئندہ سطور میں متعدد عنوانات کے تحت حدیث کے حجت (معتبر ومستند اور واجب التسلیم) ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ قادیانیت پر ہمارے مضامین کی طرح ان مضامین میں بھی یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہر عنوان کے تحت مباحث کی اپنی انفرادیت اس طرح قائم رہے کہ انہیں سمجھنے کے لئے دوسرے عنوانات کے مباحث پر کلیتًا انحصار نہ کرنا پڑے، اس لئے ان مضامین میں بعض مباحث کی تکرار بامقصد ہے، تاکہ ہر مضمون اہل باطل کے مکر وفریب کو خوب نمایاں وعریاں کرتا چلا جائے، وباللہ التوفیق۔

۱۔ عقل ونقل کا قطعی فیصلہ

الف: بہ حوالہ ''حصرِ عقلی''

اقرار وانکار حدیث کے سلسلے میں عقلاً تین شقیں ہی ممکن ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی قول وفعل (معاذ اللہ) حجت نہیں ہے، یا آپ کے بعض اقوال وافعال تو حجت ہیں اور بعض نہیں، یا آپ کے سب کے سب اقوال وافعال حجت (واجب التسلیم) ہیں۔

پہلی شق: اگر یہ کہا جائے کہ آپ کا کوئی بھی قول وفعل (معاذ اللہ) حجت نہیں تو اس سے نہ صرف قرآن کریم کا انکار بل کہ اور بھی کئی قباحتیں لازم آتی ہیں۔ قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا اور آپ کا تمام اقوام عالم کے لئے اللہ کا رسول ہونا آپ کے قول ہی سے تو معلوم ہوا، اور آپ کا یہ قول آپ کی خواہش نفس پر مبنی نہیں بل کہ قرآن کریم میں موجود ومذکور احکام الٰہی کی تعمیل میں ہے۔ مثلاً سورۂ انعام میں آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی زبان سے دیگر متعلقہ امور کے علاوہ یہ اعلان بھی فرمائیں:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ (۱/الف)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں (بھی) آگاہ کروں اور ہر اس شخص کو (بھی) جس تک یہ پہنچے۔

جس طرح آپ کو پابند کیا گیا ہے کہ آپ قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا اپنی زبان مبارک سے

اعلان فرمائیں اسی طرح آپ کو اپنی رسالت ونبوت کے اعلان کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ اعراف میں ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۱/ب)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تعمیل میں جب آپ نے قرآن کے کلام اللہ ہونے کا اور اپنی رسالت ونبوت کا اپنی زبان مبارک سے اعلان فرمایا تو آپ کے ان اقوال کو حجت (واجب التسلیم) نہ سمجھنے سے قرآن کریم کا بھی لازماً انکار ہوگیا۔ نیز آپ کے کسی بھی قول وفعل کو حجت نہ سمجھنے کی صورت میں قرآن کریم کو محفوظ کتاب ثابت نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی قرآن کریم کے مجملات اور بعض تاریخی جزئیات کی تفصیل معلوم ہوسکتی ہے، بل کہ غیبی خبریں دینے کے لحاظ سے قرآن کریم کو معجزہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ صورت وہیئت، نزولی کی بہ جائے توقیفی ترتیب، کتابت قرآن، قرآن کن چیزوں پر کن لوگوں نے لکھا تھا وغیرہ تفصیلات کا علم متعلقہ احادیث وروایات کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ تو حدیث کو حجت تسلیم کئے بغیر قرآن کریم کو محفوظ کتاب قرار دینے اور اس پر ایمان کا دعویٰ یقیناً بلا دلیل ہوگا اور بلا دلیل دعویٰ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ نیز قرآن کریم میں بہت سے واقعات کی طرف اشارہ تو موجود ہے لیکن ان کی تفصیلات متعلقہ احادیث وروایات کے بغیر ہرگز معلوم نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کے متعلق متعدد تاریخی جزئیات تو ملتی ہیں لیکن اس غزوے کی پوری تفصیل نہیں ملتی بل کہ احد پہاڑ کا نام تک مذکور نہیں ہے جس کے دامن میں یہ غزوہ ہوا تھا۔ اور مثلاً سورۂ توبہ میں غزوہ تبوک کی کئی ایک جزئیات مذکور ہیں لیکن اس کی تفصیلات نہیں ملتیں بل کہ تبوک کا نام تک قرآن کریم میں نہیں۔ اسی سورہ توبہ میں غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کا بھی ذکر ہے۔ ان میں سے تین حضرات کا خصوصی تذکرہ "وَعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا" کے کلمات سے تا آخر مضمون کیا گیا ہے، یعنی ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ نے خاص رحمت فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (۱/ج)

ان حضرات کے اسمائے گرامی اور ان کے متعلقہ احوال کی تفصیل کتب سیر واحادیث سے ہی معلوم ہوسکتی ہے جن کے بغیر قرآن کریم کے اس طرح کے مضامین کو سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ اگر کہا جائے کہ اس طرح کی احادیث اور روایات سے تاریخی فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے تو کیا احادیث وروایات معتبر ومستند ہیں یا سب کی سب غیر معتبر اور مشکوک ہیں؟ اگر معتبر ومستند ہیں تو حدیث کو حجت اسی معنی میں تو کہا جاتا ہے

اور اگر یہ غیر معتبر اور مشکوک بل کہ منکرین حدیث کے بہ قول عجمی سازش کی پیداوار ہیں تو ان سے قرآن کریم کے متعلقہ مضامین کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا تو نا قابل فہم قرآن کی حفاظت اور موجودگی کا فائدہ ہی کیا ہو؟ اس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن نجماً نجماً (تھوڑا تھوڑا کر کے) کوئی تیئس سال تک نازل ہوتا رہا اور اسے آپ حسب موقع ومحل اپنے کاتبین وحی سے لکھواتے رہے۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ جس ترتیب سے قرآن نازل ہوتا رہا، موجودہ ترتیب اس کے مطابق نہیں۔ موجودہ ترتیب کو ترتیب توقیفی کہا جاتا ہے جو ترتیب نزولی سے بہت مختلف ہے۔ رسول اللہ ﷺ بتایا کرتے تھے کہ فلاں آیت کو فلاں جگہ، فلاں آیت کو مقدم، فلاں آیت کو موخر، فلاں آیت کو فلاں سورت میں رکھو۔ ادھر قرآن کریم کی کتابت کرانے اور اسے موجودہ ہیئت وترتیب میں لانے کا کوئی حکم قرآن کریم میں صراحتاً ہرگز موجود نہیں ہے۔ پس اگر رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی قول وفعل (معاذ اللہ) حجت نہ ہو تو قرآن کریم کو محفوظ کتاب قرار دینا ہرگز ممکن نہیں، کیوں کہ قرآن کریم کی داخلی شہادتوں کو ان خارجی حقائق سے بھی تو مکمل ہم آہنگ ہونا چاہئے جو ان داخلی شہادتوں کی توثیق وتصدیق کرتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند کے مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز ساری عمر انکار حدیث کی مہم نہایت ہی شد ومد سے چلاتے رہے ہیں، وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے:

> آپ سوچئے تو سہی کہ اگر حدیث وروایات سے انکار کر دیا جائے تو پھر قرآن کے متعلق شبہات پیدا ہو جائیں گے۔ آخر یہ بھی تو روایات ہی کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو موجودہ شکل میں ترتیب دیا۔ (۲/الف)

اگر مسٹر پرویز نے یہ درست لکھا ہے تو ان کے استاد حافظ محمد اسلم جیراج پوری نے یہ کیسے لکھ دیا:

> بہ خلاف اس کے نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے، نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ (۲/ب)

جب بہ قول پرویز حدیث کے انکار سے قرآن کے متعلق شبہات پیدا ہو جاتے ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ان کے استاد محمد اسلم جیراج پوری کا قرآن پر ایمان کا دعویٰ قطعاً جھوٹا اور محض فریب نفس ہے۔ پرویز صاحب کے مجلہ طلوع اسلام میں حدیث کے متعلق یہ بھی لکھا ہے ''روایات سازی..... روایات پرستی..... خود ساختہ مظنونات''۔ (۲/ج) اور حدیث کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے ''روایاتی جھوٹ..... یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا..... روایات کو وضع کیا گیا..... عجمی سازش..... عجمی ٹکسالوں میں گھڑی گئی تھیں''۔ (۳/الف) اس سے ثابت ہوا کہ منکرین حدیث نے بین السطور یہ اعتراف کر لیا کہ انکار

حدیث کے ساتھ ان کا قرآن پر ایمان کا دعویٰ قطعاً ناقابل اعتبار ہے، کیوں کہ حدیث اور روایات کے انکار سے خود ان کے اپنے اعتراف اور اقرار کے مطابق قرآن کے متعلق شبہات پیدا ہو جاتے ہیں، عقل سلیم کا قطعی اور بدیہی فیصلہ یہی ہے کہ اگر رسول اکرم ﷺ کا کوئی بھی قول وفعل فی نفسہ (بہ ذات خود) حجت نہیں یا ہم تک آپ کا کوئی بھی قول وفعل معتبر اور مستند ذرائع سے نہیں پہنچا تو قرآن پر ایمان ہرگز ممکن ہی نہیں۔ اس مشکل کا احساس بہ جا طور پر مسٹر غلام احمد پرویز کو ہوا تو روایات رسول کے متعلق انہیں یہ بھی لکھنا پڑا ''ہمارے لئے علمی ورثہ ہیں جن سے ہم متمتع ہو سکتے ہیں..... تاریخی پس منظر''۔ (۳/ب) حافظ محمد اسلم جیراج پوری نے ''طلوع اسلام'' میں لکھا ''حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ ہے، لیکن اسی طلوع اسلام میں حدیث کے متعلق یہ بھی لکھا ہے'' غیر ایمانی غیر یقینی چیز ..... لاریب نبی ﷺ کے احوال واقوال کے متعلق کچھ صحیح حدیثیں بھی ضرور تھیں لیکن اس جھوٹ کے سیلاب سے جو مختلف راستوں سے آیا سچائی کے ان قطروں کو یقین کے ساتھ چن لینا انسانوں کے لئے بالکل ناممکن ہو گیا''۔ (۳/ج) اوپر یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ خود ان ہی منکرین حدیث نے احادیث کو'' مظنونات، عجمی سازش، عجمی نکسالوں میں گھڑی گئی'' قرار دیا ہے، تب ہی تو ان کے لئے ذخیرہ احادیث جھوٹ کا ایسا سیلاب ہے جس سے سچائی کے قطروں کو یقین کے ساتھ چن لینا انسانوں کے لئے ناممکن ہو گیا۔ خوب غور کیجئے جب ذخیرۂ احادیث (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) سراپا جھوٹ ہے اور عجمی نکسالوں میں گھڑا گیا ہے تو یہ ان کے لئے نہ صرف ''دینی تاریخ''، بل کہ اس سے بھی بڑھ کر ''علمی ورثہ'' کیسے ہو گیا اور اس جھوٹ سے وہ متمتع کیسے ہوا کرتے ہیں؟ جب ذخیرۂ احادیث جھوٹ کا ایسا سیلاب ہے جس سے بہ قول محمد اسلم جیراج پوری سچائی کے قطروں کو یقین کے ساتھ چن لینا بالکل ناممکن ہے، تو جھوٹ کے اس سیلاب سے قرآن کے متعلق ان کے شاگرد عزیز مسٹر غلام احمد پرویز کے شبہات کیسے دور ہو گئے؟

قرآن کریم کے مجمل احکام کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت وحدیث) کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مثلاً کسی نہ کسی سیاق وسباق میں قرآن کریم میں کوئی ستر سے بھی زیادہ مقامات پر نماز کا ذکر تو ہے مگر اس کے تفصیلی احکام قرآن کریم میں مذکور نہیں ہیں۔ شروع سے آخر تک نماز کیسے ادا کی جائے، نماز میں رکوع، سجود، قیام وقعدہ کی ہیئت وکیفیت، قرأت، رکوع وسجود کی تسبیحات، تشہد کے کلمات، رکعات کی تعداد، نمازوں کے اوقات خمسہ، اذان واقامت کے کلمات، مفسدات نماز الغرض فقہی اصطلاح کے مطابق نماز کی شرائط وارکان، سنتیں اور مستحبات، مباحات وموانع، پھر فرائض، سنن اور نوافل کی تشریح وتوضیح اور دیگر دینی مسائل کا قرآن کریم کے بعد اہم ترین ماخذ حدیث رسول ہی تو ہے،

کیوں کہ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال ہی سے صحابہ کرامؓ کے توسط سے امت کو معلوم ہوا۔ یہی حال باقی دینی احکام کا ہے۔

اخبار عن المغیبات (غیبی خبریں دینے) کے لحاظ سے قرآن کریم معجزہ ہے لیکن ان عینی خبروں کے خارج میں ظاہر ہوکر سچی اور صحیح ثابت ہونے کا علم متعلقہ احادیث وروایات کو صحیح مانے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مثلاً سورۂ روم کی ابتدائی آیات میں ہے کہ رومی نزدیک کے علاقے میں مغلوب ہوگئے ہیں:

وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ○ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ○لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ○ (۴/الف)

اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عن قریب چند سالوں میں ہی دوبارہ غالب آجائیں گے، اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ ہی کے لئے ہے اور اس دن ایمان والے خوش ہوجائیں گے۔

ان آیات سے یہ تو معلوم ہورہا ہے کہ رومی اپنے علاقے میں مغلوب ہوگئے ہیں اور چند سالوں میں ہی وہ دوبارہ غالب آجائیں گے۔ لیکن یہ تفصیل متعلقہ احادیث وروایات سے ہی معلوم ہوسکتی ہے کہ وہ کب اور کس قوم سے مغلوب ہوئے تھے اور وہ دوبارہ کب، کیسے اور کن حالات میں اپنے دشمن پر غالب آئے اور دوسری متعلقہ تفصیلات کیا ہیں۔ چناں چہ اس کی پوری تفصیل ذخیرۂ احادیث میں ہی ملتی ہے۔ (۴/ب)

الغرض اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی قول وفعل (معاذ اللہ) حجت نہیں ہے تو اولاً اس سے قرآن کریم کا بھی کھلا انکار لازم آتا ہے، کیوں کہ قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا صرف قرآن کریم ہی سے نہیں بل کہ قول رسول (حدیث) سے بھی ثابت ہے۔ تو قول رسول (حدیث) کے انکار سے قرآن کا اور قرآن کے انکار سے قول رسول (حدیث) کا انکار لازم آئے گا۔

ثانیاً قرآن کریم کی ترتیب توفیقی کے مطابق کتابت، کاتبین وحی کے اسمائے گرامی اور ان کے متعلقہ احوال، قرآن کی جمع وتدوین وغیرہ امور کا علم متعلقہ احادیث وروایات کے بغیر ممکن نہیں۔

ثالثاً قرآن کریم کے مجمل احکام اور مضامین کی تفصیل حدیث کو حجت تسلیم کئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی عبادات، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہی کو لیجئے، ان کی بہت سی تفاصیل رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال ہی سے معلوم ہوئیں۔ ان عبادات کی بیش تر جزئیات پر امت مسلمہ کا ہمیشہ سے اتفاق رہا ہے، یعنی جس طبقاتی تواتر اور تسلسل سے قرآن کا ہم تک پہنچنا یقینی طور پر ثابت ہے، اسی طبقاتی

تواتر اور تعامل امت سے یہ جزئیات بھی ہم تک منتقل ہوتی چلی آئی ہیں۔ منکرین حدیث اگر طبقاتی تواتر، تسلسل اور توارث سے پہنچنے والی کسی چیز کو حجت نہیں سمجھتے تو قرآن پر ان کے ایمان کا دعویٰ کیسے درست ہوا؟۔ اگر حجت سمجھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ سے مروی لاتعداد باتیں مثلاً عقائد وعبادات وغیرہ کی تفصیل بھی معنوی اور عملی طور پر اسی تواتر وتسلسل سے ہم تک پہنچی ہے جس طبقاتی تواتر سے ہم تک قرآن پہنچا ہے۔ متعلقہ روایات فرداً فرداً متواتر نہ بھی ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ ان کی پشت پر امت کا طبقاتی اور عملی تواتر وتسلسل ہے۔ تعامل امت نے روایات کے خاصے بڑے حصے کو متواترات میں تبدیل کر دیا ہے، خصوصاً جس کا تعلق روزمرہ کی عملی زندگی اور متعدد معاشرتی دینی رسوم سے ہے۔ پس منکرین حدیث اگر ان کا انکار کرتے ہیں اور عبادات صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج اور دیگر دینی احکام کی مسلمہ اصطلاحات کو خود ساختہ نئے نئے معانی پہناتے ہیں اور اسلامی عقائد یعنی اللہ، فرشتوں، پیغمبروں، آخرت، تقدیر اور حیات بعد الممات کے مسلمہ مفاہیم ومعانی کی نئی نئی من گھڑت تشریحات پیش کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ وہ قرآن کو بھی قطعاً حجت نہیں سمجھتے، اسی لئے وہ دینی اصطلاحات اور متعلقہ قرآنی آیات کی ایسی ایسی معنوی تحریف کرتے ہیں کہ ابلیس بھی اس پر شرماتا ہوگا۔

رابعاً اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی قول وفعل حجت نہیں تو قرآن میں متعدد تاریخی واقعات مثلاً غزوات بدر، احد، بنی نظیر، تبوک وغیرہ کی بعض جزئیات تو مذکور ہیں، لیکن حدیث کے بغیر انہیں ٹھیک سمجھ پانا ناممکن ہے۔

خامساً قرآن کریم میں ماضی، حال اور مستقبل کی بہت سی خبریں دی گئی ہیں جنہیں متعلقہ احادیث وروایات کو حجت سمجھے اور قرار دیئے بغیر سمجھنا محال ہے۔ یوں قرآن کریم کو ان متعلقہ احادیث کے بغیر اخبار عن المغیبات (غیبی خبریں دینے) کے لحاظ سے معجزہ ثابت ہی نہیں کیا جا سکتا۔

سادساً اس صورت میں یہ بحث قطعاً لایعنی اور عبث ٹھہرے گی کہ حدیث ہم تک ظنی ذرائع سے پہنچی ہے یا یقینی ذرائع سے منتقل ہوئی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی قول وفعل (حدیث) اپنی اصل کے اعتبار سے حجت نہ ہو تو اگر یقینی ذرائع سے بھی منکرین حدیث تک پہنچتا تب بھی ان کے لئے بے کار ہی ہوتا تو وہ حدیث کے ظنی ہونے یا نہ ہونے کی بحث میں کیوں بری طرح الجھ کر رہ گئے ہیں؟ پس یہ پہلی شق یقیناً باطل اور مردود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی قول وفعل (معاذ اللہ) حجت نہیں ہے۔

دوسری شق: اگر یہ کہا جائے کہ دین میں رسول اللہ ﷺ کے بعض اقوال وافعال تو حجت ہیں اور بعض نہیں تو اس (مفروضہ) صورت میں آپ کے جو اقوال وافعال (معاذ اللہ) حجت نہیں وہ یا تو

کتاب اللہ کے مطابق ہوں گے یا کتاب اللہ کے خلاف ہوں گے یا کتاب اللہ پر اس طرح زائد ہوں گے کہ ان سے قرآن کریم کے مجمل ومبہم اور مشکل مضامین کی تشریح وتوضیح ہورہی ہوگی یا سرے سے ان کے متعلق کوئی واضح امر یا نہی قرآن کریم میں صراحتاً موجود نہیں ہوگا۔ اگر آپ کے یہ اقوال وافعال قرآن کریم کے مطابق ہیں تو ان کے انکار سے قرآن کریم کا بھی انکار لازم آیا۔ اگر آپ کے یہ اقوال وافعال قرآن کریم کے خلاف ہیں تو یہ اختلاف یا تو محض ظاہری وصوری ہوگا یا حقیقی ہوگا۔ اگر یہ اختلاف محض ظاہری وصوری ہے تو ایسا اختلاف دراصل اختلاف ہوتا ہی نہیں اور اسے دور کرنا ممکن ہوتا ہے، لہٰذا آپ کے ایسے اقوال وافعال کے انکار سے بھی قرآن کریم کا انکار لازم آیا۔ ایسا ظاہری وصوری اختلاف تو خود قرآن کریم میں بھی موجود ہے مثلاً سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت یعنی دنیا حاصل کرتے ہیں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں:

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (۴/ج)

اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ بہ روز قیامت ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی انہیں پاک وصاف کرے گا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔

لیکن سورۂ حجر میں ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (۵/الف)

سو تیرے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور بالضرور پوچھیں گے۔

پس آل عمران کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے شفقت اور نرمی سے کلام نہیں کرے گا۔ اس میں مطلق کلام کی نفی نہیں ہے۔ اور مثلاً سورۂ بقرہ میں ہے کہ بے شک جو لوگ کافر ہوئے ان کے حق میں برابر ہے خواہ تو ان کو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (۵/ب)

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

لیکن سورۂ انشقاق میں ہے:

فَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۵/ج)

تو انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟

یہاں بھی بہ ظاہر تعارض ہے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے تو وہ ایمان کیسے لا سکتے ہیں۔ یہ تعارض بھی حقیقی نہیں بل کہ محض ظاہری وصوری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایمان لانا اور نہ لانا اختیاری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار سے پیغمبر پر ایمان لاکر کوئی فائدہ نہ اٹھائے اور اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کفر اور سرکشی پر ڈٹا رہے تو اس کفر کی نحوست سے عین ممکن ہے کہ اس کے لئے بالآخر قبول حق کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔ چوں کہ اسباب میں اچھا یا برا اثر اللہ تعالیٰ نے ہی رکھا ہے اور وہی مسبب الاسباب ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کے دلوں پر ان کے اختیاری کفر وسرکشی کی وجہ سے اللہ نے مہر لگادی ہے وہ ایمان لانے اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں۔ اور مثلاً سورۂ قصص میں ہے:

اِنَّكَ لَاتَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَاَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ○(۶/الف)

بے شک (اے پیغمبر!) تو جسے چاہے ہدایت نہیں دیتا بل کہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

لیکن سورۂ شوریٰ میں ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○(۶/ب)

اور بے شک (اے پیغمبر!) تو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

یہاں بھی بہ ظاہر تعارض ہے لیکن سورۂ قصص کی آیت میں ہدایت کا معنیٰ ایصال الی المقصود (سیدھے راستے پر چلا کر منزل مقصود یعنی جہنم سے بچا کر جنت تک پہنچا دینے) کا ہے۔ اس معنیٰ میں ہادی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر حضرات انبیا علیہم السلام کو یہ اختیار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سب کو عموماً اور ابولہب جیسے اپنے اقارب کو خصوصاً ہدایت پر لے آتے۔ سورۂ شوریٰ کی آیت میں ہدایت کا معنیٰ اراءۃ الطریق (راستہ دکھانے) کا ہے یعنی آپ لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔ راستہ دکھانا تو اللہ کے حکم سے آپ کا کام ہے اور اس راستے پر چلانا آپ کا نہیں بل کہ اللہ کا کام ہے۔ پس ان آیات کے مضامین میں کوئی حقیقی تعارض نہیں ہے۔

الغرض ظاہری وصوری مگر غیر حقیقی تعارض کی خود قرآن کریم سے بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال (احادیث) کا قرآن کریم سے یا خود ان کا باہم کوئی تعارض محض

ظاہری اور صوری ہو تو یہ حقیقی تعارض نہیں ہوگا اور قرآن کریم سے آپ کے ایسے اقوال وافعال کے محض ظاہری وصوری تعارض سے ان اقوال وافعال کو حجت نہ سمجھنے سے خود قرآن کریم کا بھی انکار یقیناً لازم آئے گا۔ اب اگر یہ مفروضہ اختیار کیا جائے کہ آپ کے ان اقوال وافعال کا قرآن کریم سے اختلاف اور تعارض ظاہری وصوری نہیں بل کہ (معاذ اللہ) حقیقی ہے اور اسے کسی بھی طرح دور نہ کیا جا سکتا ہو تو قرآن کریم سے ایسا (مفروضہ) حقیقی اختلاف یقیناً باطل ہوگا اور یہ خبیث بات بھی ماننی پڑے گی کہ آپ سے اپنے بعض اقوال وافعال میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) باطل کا بھی صدور وظہور ہوا کرتا تھا۔ اس صورت میں نہ صرف آپ کی لائی ہوئی پوری شریعت کا بل کہ قرآن کریم کا بھی اعتبار نہ رہا تو اس پر ایمان رکھنا کیسے ممکن ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے یہ دینی اقوال وافعال قرآن کریم کے نہ تو مطابق ہیں اور نہ ہی مخالف، بل کہ اس پر زائد ہیں یعنی ان کی تفصیل قرآن میں موجود نہیں یا سرے سے قرآن میں ان کا صراحتاً کوئی تذکرہ ہی نہیں، تو ان کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے ان کا استنباط قرآن کریم سے فرمایا ہے تو یہ بات بعض اقوال وافعال کے متعلق تو درست ہو سکتی ہے لیکن لاتعداد امور ایسے ہیں جن کا قرآن کریم سے استنباط (اخذ کرنا) ممکن نہیں کیوں کہ مسائل کے استنباط کے لئے کوئی بنیاد اور کوئی علت مشترکہ بھی تو ہونی چاہئے۔ مثلاً نمازوں اور ان کی رکعات کی تعداد، زکوٰۃ کی شرح اور اس کا نصاب، عید الفطر کے لئے یکم شوال اور عید الاضحیٰ کے لئے دس ذی الحجہ، حج کے مہینوں اور مناسک حج کے لئے مخصوص ایام کی تعیین وغیرہ وغیرہ لاتعداد امور ایسے ہیں کہ دنیا بھر کے عقلا اور دانش ور جمع ہو کر بھی قرآن کریم سے انہیں اخذ نہیں کر سکتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے ایسی جزئیات کا تعین وحی سے نہیں بل کہ از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے فرمالیا تھا تو اس (باطل) مفروضے سے متعدد سنگین خرابیاں لازم آتی ہیں:

اولاً شارع حقیقی تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو مجازاً شارع صرف اس معنی میں کہا جاتا ہے کہ آپ دین کے اصول وفروع اللہ تعالیٰ سے براہ راست بہ ذریعہ وحی معلوم کر کے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ نہ کہ (معاذ اللہ) اپنی مرضی سے یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے دینی اصول وفروع گھڑ لیا کرتے تھے۔ آپ کا اپنے ساتھیوں سے مشورہ دینی مسائل وجزئیات کے وضع واختراع (بنانے اور گھڑنے) کے لئے نہیں بل کہ عملی زندگی میں ان کے نفاذ واجرا (چلانے اور جاری کرنے) کے لئے ہوا کرتا تھا۔ منکرین حدیث ضعیف تو کیا کوئی جھوٹی حدیث بھی پیش نہیں کر سکتے کہ آپ نے مثلاً نمازوں کی رکعات کی تعداد، زکوٰۃ کی شرح اور اس کے نصاب وغیرہ کا تعین صحابہ کرامؓ کے مشورے سے فرمایا تھا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ اگر وہ بلا دلیل ایسا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ رسول اللہ ﷺ پر

جھوٹ باندھتے ہیں۔ صحیح احادیث کا تو وہ انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لئے حجت نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹے اقوال وافعال کو منسوب کرنے بہ الفاظ دیگر جھوٹی احادیث اپنی عجمی ٹکسالوں میں گھڑ لینے میں وہ ذرا بھی شرم وحیا محسوس نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی مخلوق کو ہرگز یہ حق نہیں دیا کہ وہ از خود یا دوسروں کے مشورے سے دینی جزئیات متعین کرتا پھرے بل کہ ایسا کرنے کو شرک قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ میں فرمایا ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ(۶/ج)

کیا ان (مشرکین) کے لئے (اللہ کے) ایسے شریک بھی ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں وہ باتیں نکالیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اور مثلاً عیسائیوں کو مشرک قرار دیتے ہوئے سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ (۷/الف)

انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حال آں کہ انہیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی معبود (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ (اللہ) اس سے پاک ہے جو وہ (مخلوق کو اس کا) شریک بناتے ہیں۔

دیکھئے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام (مسیح ابن مریم) کو تو زبان سے خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور کھلے عام شرک کا اظہار کرتے ہیں، لیکن وہ اپنے مذہبی رہ نماؤں پاپاؤں اور پادریوں وغیرہ کو زبان سے خدا نہیں کہتے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گو وہ زبان سے اپنے مذہبی رہ نماؤں کو خدا نہیں کہتے لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے ان رہ نماؤں کو دینی مسائل اور جزئیات از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے متعین کرنے کا اختیار خود یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے سونپ رکھا ہے۔ چناں چہ ان کا پوپ تشریعی اختیارات کا مالک سمجھا جاتا ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے۔ ہم نے سوچنے کے لئے دماغ، دھڑکنے کے لئے دل، بولنے اور چکھنے کے لئے زبان، سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھیں، سونگھنے کے لئے ناک، چلنے کے لئے پاؤں، پکڑنے کے لئے ہاتھ بل کہ جسم کا کوئی بھی حصہ حتیٰ کہ کوئی بال تک بھی خود نہیں بنایا۔ قوانین فطرت ہم نے نہیں بنائے، ہم تو خداداد عقل، تجربے ومشاہدے سے ان قوانین فطرت کو معلوم

کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح قوانین شریعت بنانے کا اختیار بھی ہرگز کسی مخلوق کو اللہ نے نہیں دیا۔ ہمارا کام پیغمبر کے ذریعے انہیں معلوم کرنا اور ان پر عمل پیرا ہو کر سعادت و نیک بختی حاصل کرنا اور شقاوت و بدبختی سے بچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دین بنانے کے لئے نہیں بل کہ دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے دی ہے۔ جو شخص دینی اصول و فروع خود بناتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے اور اس کا خود ساختہ دین دراصل باطل دین ہے کیوں کہ شارع حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جو لوگ ایسے کسی شخص کو حق پر سمجھتے ہیں اور اس کے من گھڑت دین کو قبول کرتے ہیں وہ خود بھی ایسے شخص کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی ناقابل انکار حقیقت کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ اور سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیات میں اظہار فرمایا ہے۔ اب اگر اس خبیث مفروضے کو تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پر زائد دینی جزئیات اور مسائل کو از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے بغیر وحی کے متعین فرما لیا تھا تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مشرک قرار دینا ہوگا۔

ثانیاً دین کے اصول ہوں یا فروع، اگر وہ وحی کے بغیر متعین کئے جائیں گے اور وحی کے بغیر جن اقوال و افعال کی رو سے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق اور باہمی خصومات کے متعلق جو بھی فیصلے کئے جائیں گے اور جو بھی مسائل متعین کئے جائیں گے، وہ وحی پر مبنی ہونے کی بہ جائے خواہش نفس کی پیروی میں ہوں گے یعنی یہ ما انزل اللہ (جو کچھ اللہ نے اتارا) کے تابع نہیں ہوں گے بل کہ اپنی رائے اور اپنے خود ساختہ، خانہ ساز اور من گھڑت اقوال و افعال اور مظنونات کے مطابق ہوں گے۔ ادھر سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے نہ کرنے والوں کو کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا ہے۔ (۷/ب) جب دینی مسائل کا ما انزل اللہ کے مطابق ہونا ضروری ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم پر زائد جو بھی دینی مسائل اپنے اقوال و افعال سے بیان فرمائے، اگر وہ ما انزل اللہ کے مطابق نہیں تھے تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) یہ خبیث بات بھی ماننی پڑے گی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی کھلی نافرمانی کی کہ دین کے بارے میں تمام فیصلے ما انزل اللہ کے مطابق ہونے چاہئیں۔ اگر قرآن پر زائد آپ کے بیان فرمودہ دینی مسائل ما انزل اللہ کے مطابق ہیں تو ثابت ہوا کہ ما انزل اللہ (وحی) قرآن میں ہی محصور و محدود نہیں ہے بل کہ قرآنی وحی کے علاوہ آپ پر غیر قرآنی وحی کا بھی نزول ہوا کرتا تھا کیوں کہ جب یہ مسائل قرآن میں صراحتاً یا تفصیلاً موجود ہی نہیں تو ان کا ما انزل اللہ کے مطابق ہونا تب ہی تو معلوم ہو سکتا ہے جب کہ آپ پر غیر قرآنی وحی کا نزول بھی ہوا ہو۔ ما انزل اللہ (وحی) کے ہوتے ہوئے دینی مسائل متعین کرنے کے لئے مشورے کی قطعاً ضرورت ہی نہیں پس لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ آپ کا اپنے

اصحاب سے مشورہ دینی مسائل کے وضع واختراع کے لئے نہیں بل کہ عملی زندگی میں ان مسائل کے نفاذ واجرا کے لئے ہوا کرتا تھا۔

غلام احمد پرویز نے لکھا ہے:

مقلدِ ائمہ ہوں یا مقلدِ روایات، تقلید کی تائید میں ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہم رسول اللہ یا صحابہ کبار یا ائمہ فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے وقت اتنا نہیں سوچتے کہ رسول اللہ وصحابہ کبار یا ائمہ فقہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔ وہ مسائل زندگی کا حل خود سوچتے تھے۔ آپ بھی اپنے مسائل زندگی کا حل خود تلاش کیجئے۔ (۷/ ج)

یہاں مسٹر پرویز ''تقلید'' کی اصطلاح سے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ ائمۂ فقہ کی تقلید کرنے والوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ان ائمہ کو یا کسی بھی حاکم کو تشریعی اختیارات حاصل ہیں۔ ایسا عقیدہ تو خود منکرین حدیث کا ہے کہ وہ حاکم اعلیٰ کو دینی مسائل متعین کرنے کا مجاز سمجھتے ہیں اور انہیں تشریعی اختیارات ایسے ہی سونپنا چاہتے ہیں جیسے نصاریٰ اپنے پاپاؤں اور پادریوں وغیرہ کو تشریعی اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں۔ پرویزی منکرین حدیث اپنے مفروضہ حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) کو شارع قرار دے کر انہیں یہ حق بھی سونپ رہے ہیں کہ لوگ انہیں ''اللہ اور رسول'' قرار دے کر بلا چوں وچرا ان کی تقلید کریں۔ ایسی تقلید کفر اور شرک ہے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں لیکن جائز تقلید کو وہ نشانہ تضحیک بنا رہے ہیں فیاللعجب! جائز تقلید کرنے والے جن فقہا اور محدثین کی پیروی کرتے ہیں تو وہ ہرگز ان کو تشریعی اختیارات کا مالک نہیں سمجھتے بل کہ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ائمہ فقہ نے قرآن وسنت میں غور کر کے دینی مسائل اور جزئیات کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دین کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال وافعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پر مبنی ہیں۔ مسائل زندگی کا حل خود تلاش کرنے کا اگر مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور ائمہ فقہ کو دینی مسائل اور جزئیات از خود یا دوسروں کے مشورے سے متعین کر لینے کا حق اور اختیار حاصل تھا تو اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر شاید اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہ بولا گیا ہو۔ یہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور ائمہ فقہ پر کھلا بہتان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (۸/ الف) قرآن کریم میں مثلاً اقامت صلوٰۃ کا بارہا حکم دیا گیا ہے، یہاں مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اقامت صلوٰۃ سے کیا مراد ہے، نمازوں کے اوقات کون کون سے ہیں، ان کی رکعات کی تعداد کیا ہے، قیام، رکوع وسجود اور قعدہ کی ہیئت وصورت اور متعلقہ تسبیحات واذکار کے کلمات کیا ہیں وغیرہ، تو کیا اس طرح کے مسائل کا حل رسول

اللہ ﷺ نے خود سوچ لیا تھا؟ کیا دوسرے لوگوں کو بھی ان دینی مسائل کا حل خود تلاش کر لینا چاہئے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اگر منکرین حدیث میں ہمت ہے تو کسی ایک ہی دینی مسئلے کی وہ نشان دہی کریں جو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے متعین کر لیا ہو یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے ایسا کیا ہو۔ اس سلسلے میں وہ صحیح تو کیا، کوئی جھوٹی روایت بھی ذخیرۂ احادیث سے پیش نہ کر سکیں تو یہی کہنا پڑے گا لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

صحابہ کرامؓ سے رسول اللہ ﷺ کا مشورہ شرعی احکام کے اجراء اور نفاذ کے لئے ہوا کرتا تھا۔ مورد وحی ہونے کی بنا پر آپ کو ان مشوروں کی ضرورت نہیں تھی، ان سے مقصود صحابہ کرامؓ کی رہ نمائی اور تربیت تھی۔ مخلوق کو تشریعی اختیارات کا مالک و مجاز ٹھہرانا تو وہ کفر و شرک ہے جس میں نصاریٰ مبتلا ہوئے کہ وہ اپنے پاپاؤں کو تشریعی اختیارات کا یعنی دینی مسائل و جزئیات کو متعین کرنے کا مجاز و مختار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کے نظام پاپائیت کو پرویزی منکرین حدیث مسلمانوں پر ''مرکز ملت'' کے پردے میں مسلط کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ وہ ان کے (مفروضہ) مرکز ملت (پوپ) کی تقلید کو اپنے اوپر لازم سمجھیں۔ چناں چہ غلام احمد پرویز نے نماز کے متعلق لکھا ہے:

> تاہم اگر یہ قرآنی حکومت ان مسلمہ جزئیات (یعنی نمازوں کی تعداد، اوقاتِ نماز اور ترکیب نماز) میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔ (۸/ب)
>
> حال آں کہ ایسی حکومت قرآنی نہیں بل کہ شیطانی ہوگی۔

ثالثاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی پر وحی کا نزول صرف فرشتے کے ذریعے ہی نہیں بل کہ فرشتے کے بغیر بھی ہوا کرتا ہے۔ چناں چہ سورۂ شوریٰ میں نبی پر نزول وحی کی اللہ تعالیٰ نے تین صورتیں بیان فرمائی ہیں:

> مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِيْ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (۸/ج)
>
> کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کسی پیغام رساں (فرشتے) کو بھیجے تو وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ بہت بلند و برتر (اور) صاحب حکمت ہے۔

قرآن کریم سارے کا سارا وحی ملکی (فرشتے کے ذریعے وحی) سے نازل ہوا ہے۔ سورۂ بقرہ میں

وحی کے فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے متعلق ہے:

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۹/الف)

تو (اے پیغمبر!) بے شک اس (جبرئیلؑ) نے اس (قرآن) کو اللہ کے حکم سے تیرے دل پر اتارا ہے۔

سورۂ شعراء میں ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ (۹/ب)

اس (قرآن) کو روح الامین (جبرئیلؑ) نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ (اے پیغمبر!) تو آگاہ کرنے والوں میں سے ہو۔

جب قرآن کریم رسول اللہ ﷺ پر سارے کا سارا صرف وحی مَلَکی کے ذریعے نازل ہوا تو آپ پر جو غیر مَلَکی (فرشتے کے بغیر) وحی کا نزول ہوا، وہ یقیناً قرآن کے علاوہ غیر قرآنی وحی ہے۔ غیر مَلَکی وحی یہ ہے کہ آپ کے قلب مبارک میں فرشتے کے توسط کے بغیر کوئی بات ڈال دی جائے یا خواب میں کچھ دکھایا اور بتایا جائے اور یہ بات بھی دل میں پختہ کردی جائے کہ یہ مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ سورۂ شوریٰ کی مذکورہ بالا آیت سے قطعیت سے ثابت ہوا کہ آپ پر نازل ہونے والی وحی صرف قرآن میں ہی محصور نہیں بل کہ قرآن کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا بھی آپ پر نزول ہوا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی یقیناً تورات کے علاوہ غیر توراتی وحی کا بھی نزول ہوتا رہا۔ تورات کا نزول تو فرعون اور آل فرعون کے غرق ہونے کے کہیں بعد جا کر ہوا۔ اس سے پہلے سال ہا سال تک آپ پر جو وحی نازل ہوتی رہی وہ یقیناً تورات کے علاوہ تھی۔ اس کے باوجود لوگوں پر تورات ہی کی طرح حجت (واجب التسلیم) بھی تھی ورنہ فرعونیوں کو غرق کیوں کیا جاتا۔ تورات سے پہلے آپ پر وحی کا نزول تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار لازم آتا ہے حال آں کہ (مثلاً) سورۂ مزمل میں ہے:

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۹/ج)

بے شک ہم نے تمہاری طرف تم پر گواہی دینے والا رسول بھیجا ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

رسول اور نبی وہی تو ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہو۔ پس جن دنوں نزول تورات سے بہت پہلے فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تنازعہ چل رہا تھا، ان دنوں میں بھی آپ پر وحی نازل ہوتی رہی جو یقیناً تورات کے علاوہ تھی۔ تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے

علاوہ غیر توراتی وحی کا بھی نزول ہوا اسی طرح خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر قرآن کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا بھی یقیناً نزول ہوا۔ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ قرآنی وحی صرف فرشتے کے توسط سے نازل ہوئی تو اگر آپ پر قرآنی وحی کے علاوہ کسی دوسری وحی کا انکار کیا جائے تو یہ غلط بات بھی ماننی پڑے گی کہ فرشتے کے توسط کے بغیر یعنی غیر ملکی وحی کی جو ایک صورت اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ کی مذکورہ آیت میں بیان فرمائی ہے، اس سے (معاذ اللہ) آپ کو محروم رکھا گیا۔ حالانکہ آپ کا مقام و مرتبہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت بلند و بالا ہے۔ آپ تمام انبیا علیہم السلام کے سردار اور قائد ہیں۔

سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں وحی کے نزول کی تیسری صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان سے پس پردہ کلام کرے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام ہوا تھا۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام معراج کے موقع پر ہوا۔ پس جس طرح نزول وحی کی تینوں صورتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام شرف یاب ہوئے تو رسول اکرم ﷺ بھی یقیناً اپنے اوپر نزول وحی کی ان تینوں صورتوں سے شرف یاب ہوئے۔ بہ الفاظ دیگر آپ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا بھی نزول ہوا اور اس غیر قرآنی وحی میں قرآن کریم کے مجمل احکام اور دیگر متعلقہ امور کو واضح کیا گیا۔ وحی قرآنی ہو یا غیر قرآنی، اس میں ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کا اختیار تو خود رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں اور ادھر منکرین حدیث یہ اختیار ہر حاکم اعلیٰ کو دے رہے ہیں جس کے لئے انہوں نے ''مرکز ملت'' کی اصطلاح وضع کر رکھی ہے۔ فَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْن

رابعاً قرآنی وحی کے نزول کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کلماتِ وحی کو یاد کرنے کے لئے انہیں جلد جلد دہرانے لگتے تھے اس پر سورۂ قیامہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○ (۱۰/الف)

(اے پیغمبر!) تو اس (وحی) کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے کہ تو اسے جلدی یاد کر لے۔ بلاشبہ اس کو جمع کرنا اور (تیرا) اسے پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اسے (فرشتے کی زبانی) پڑھیں تو تو بھی اس پڑھنے کے پیچھے پیچھے چلتا آ (یعنی اسے غور سے سنتا رہ) پھر بلاشبہ اس (قرآنی وحی) کو واضح کرنا بھی ہمارے ذمے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی طرح بیانِ قرآن (قرآن کی تشریح و توضیح) بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح کلام اللہ کو بہ ذریعہ تلاوت امت تک پہنچایا ہے، اسی

طرح اس کی جو تشریح و توضیح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائی اسے بھی آپ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) کے ذریعے امت تک پہنچایا ہے۔ اگر کہا جائے کہ بیانِ قرآن خود قرآن کے اندر ہے تو یہ قول اس لئے غلط ہے کہ یہاں بات ہی رسول اللہ ﷺ کے ان اقوال و افعال کی ہو رہی ہے جو قرآن پر اس معنیٰ میں زائد ہیں کہ ان سے قرآن کریم کے مجمل مضامین کی تشریح و توضیح ہوتی ہے یا یہ قرآن میں سرے سے صراحتاً مذکور ہی نہیں ہیں۔ اگر آپ کے یہ اقوال و افعال وحی پر مبنی نہیں ہیں حال آں کہ ان ہی سے تو قرآن کے مجمل مضامین کی وضاحت ہو رہی ہے، تو اس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی صاف تکذیب لازم آتی ہے کہ اس قرآن کا بیان (تشریح و توضیح) ہمارے ہی ذمے ہے۔ یعنی آپ کے دینی اقوال و افعال (سنت) جو بیانِ قرآن کا کام دیتے ہیں تو یہ بیانِ قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔ لہٰذا قرآن پر زائد آپ کے یہ اقوال و افعال وحی پر مبنی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر حدیثِ رسول اس معنیٰ میں وحی ہے کہ اس کے مضامین اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آپ کے قلب مبارک میں ڈالے گئے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے قرآن وحی مَلَکی ہے اور حدیث کا بڑا حصہ وحی غیر مَلَکی ہے۔ الغرض قرآن کی طرح بیان القرآن بھی وحی کے ذریعے ہی رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمانے کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں لیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کی وضاحت حسب وعدہ آپ پر فرما دی تو آپ کا یہ منصبی فریضہ قرار پایا کہ نہ صرف قرآن بل کہ بیانِ قرآن کو بھی آپ لوگوں تک پہنچائیں۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (۱۰/ب)

اور ہم نے (اے پیغمبر!) تیری طرف نصیحت (قرآن) کو اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کے لئے خوب کھول کر بیان کر دے جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

آیت کے آخر میں وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ''اور تاکہ وہ غور و فکر کریں'' کے کلمات سے اجتہاد و استنباط کے اہل مجتہدین کے قیاس شرعی کی طرف اشارہ ہے۔ جس چیز کو خوب کھول کر بیان کر دیا گیا ہو اس میں تو کسی غور و فکر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ آیت میں یہاں ''واو'' بہ معنیٰ ''اور'' کو مغائرت (ایک علیحدہ مضمون کو بیان کرنے) کے لئے لایا گیا ہے کہ زندگی کے لائحہ عمل کے لئے جو مسائل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکمت بالغہ کے تحت کھول کر بیان نہیں فرمائے یا جن مسائل میں حقیقی نہیں مگر ظاہری و صوری تعارض نظر آ رہا ہے یا جو مسائل سرے سے قرآن و سنت میں صراحتاً مذکور ہی نہیں بل کہ یہ نئے پیش آمدہ مسائل ہیں تو یہی وہ اجتہادی مسائل ہیں جن میں اجتہاد و استنباط کی صلاحیت رکھنے والے اہل علم غور و فکر

کر کے لوگوں کی رہ نمائی کریں گے۔ نیز احکام شرعیہ کو عملی زندگی میں جاری وساری کرنے کے لئے جن انتظامات اور مناسب تدابیر کی ضرورت ہوتی ہے ان میں متعلقہ حکام وامرا متعلقہ اہل علم اور ماہرین سے مشورہ کر کے مناسب ترین لائحہ عمل اور طریق کار وضع کریں گے۔ اسی طرح کے انتظامی وتدبیری امور میں تعلیم وتربیت کے لئے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ مشورہ عملی زندگی سے متعلق دینی مسائل اور احکام کے اجرا ونفاذ (چلانے) کے لئے ہوا کرتا تھا نہ کہ (معاذ اللہ) ان کے وضع واختراع (بنانے اور گھڑ لینے) کے لئے ہوتا تھا۔ ایسا کرنے والے تو قرآن کریم کی رو سے مشرک ہیں۔ عام اجتہادی مسائل میں عموماً اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئے پیش آمدہ مسائل میں خصوصاً، مجتہدین اپنی طرف سے مسائل بناتے نہیں بل کہ قرآن وسنت میں غور کر کے ان کا حل ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قیاسِ شرعی احکامِ شریعت کا مُثبت (ثابت کرنے والا) نہیں بل کہ مُظہر یعنی اس معنیٰ میں انہیں ظاہر کرنے والا ہوتا ہے کہ یہ قرآن وسنت کے بطن میں مستور تھے اب ظاہر ہو گئے۔

اجتہادی مسائل میں مجتہدین کی خدمات اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر مقبول ہیں کہ اگر مجتہد سے کسی مسئلے میں غلطی بھی ہو جائے تو بھی اسے اکہرا اجر ملے گا۔ اگر اس کا اجتہاد اللہ کے نزدیک غلطی سے پاک وصاف ہے تو اسے دہرا اجر ملے گا۔ لیکن حضرات انبیا علیہم السلام کا معاملہ اس سے یک سر مختلف ہے۔ انہیں ہرگز کسی خطا اور نسیان پر قائم اور باقی نہیں رکھا جاتا۔ اسی معنیٰ میں وہ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ ان کے خطا اور نسیان کی یہ صورتیں ویسے بھی شاذ ونادر ہی ہوا کرتی ہیں۔ قرآن وسنت کے واضح احکام ومضامین (نصوص قطعیہ) کے مقابلے میں عقلی گھوڑے دوڑانا اور قیاس فاسد سے کام لینا تو ابلیس کا کام ہے اسے ہرگز ہرگز قیاس شرعی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اللہ اور اس کے رسول نے جو باتیں کھول کر بیان کر دیں ان کے مقابلے اور معارضے میں جو کچھ بھی کہا جائے گا اور اسے دین قرار دینے کی کوشش کی جائے گی تو یہ اللہ اور اس کے رسول پر بہتان ہوگا۔ دیگر اہل باطل فرقوں کی طرح منکرین حدیث اپنی بدقسمتی سے خود بھی یہی کام کر رہے ہیں اور اپنے (مفروضہ) مرکز ملت (حاکم اعلیٰ) سے بھی یہی کام لینا چاہتے ہیں۔

اللہ کا نبی چوں کہ خود مورد وحی ہوتا ہے اس لئے اصولی طور پر بہ ذات خود وہ نہ تو کسی مشورے کا محتاج ہوتا ہے اور نہ ہی اسے قیاس شرعی اور اجتہاد کے ذریعے دینی مسائل کے استنباط کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ عملی زندگی میں دینی مسائل اور احکام کے اجرا کے لئے نبی کا لوگوں سے مشورہ درحقیقت افراد امت کی تعلیم وتربیت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ قیاس شرعی سے دینی مسائل کے استنباط کی بھی نبی کو بہت کم صورتوں میں اس وقت ضرورت پیش آتی ہے جب کہ وحی کا خاصا انتظار کرنے کے باوجود وحی کا نزول نہ ہوا ہو یا کسی

انتظامی وعدالتی معاملے میں جلد کوئی فیصلہ صادر کرنے اور عملی اقدام کی صورت پیش آرہی ہو۔ اس طرح کے امور میں اگر نبی سے شاذ ونادر صورتوں میں اجتہادی خطا کا صدور ہوتو اسے ہرگز خطا پر قائم اور باقی نہیں رکھا جاتا تاکہ اس کے تمام اقوال وافعال کے صحیح ہونے پر امت کو پورا یقین رہے۔ ایسے جن امور میں وحی کے ذریعے اطلاع اور ساتھ ہی اصلاح بھی ہوگئی تو وہ بھی حقیقتاً وحی میں ہی داخل ہوگئے اور جن امور میں اللہ تعالیٰ نے سکوت اختیار فرمایا تو وہ حکماً وحی کے مطابق ہوگئے، کیوں کہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی کسی خطا اور نسیان پر خاموش رہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ سنت وحدیث کی ایک قسم ''تقریری'' کہلاتی ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا تو آپ نے اپنی خاموشی سے اس بات کے صحیح ہونے اور اس کام کے جائز ہونے کی تصویب فرمادی۔ بعینہٖ اسی طرح وحی کی ایک قسم بھی وحی سکوتی یا تقریری ہے۔ نبی سے صادر ہونے والے جن امور کے متعلق اللہ تعالیٰ خاموش رہے تو یہ وحی سکوتی یا تقریری ہے جسے وحی حقیقی کے مقابلے میں وحی حکمی بھی کہا جاسکتا ہے۔

الغرض اللہ کے نبی کا دین میں ہر قول وفعل یا تو وحی حقیقی پر مبنی ہوتا ہے خواہ یہ وحی مَلکی ہو یا غیر مَلکی ہو یا یہ حکماً وحی حقیقی کے تابع ہوتا ہے جس میں گو حقیقتاً وحی کا نزول نہ بھی ہوا ہو تو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے سکوت سے اس قول وفعل کی تصویب وتوثیق فرمادی ہو۔

عام دینوی امور جو طبعی طور پر ہر شخص کو پیش آتے ہیں فرداً فرداً وحی کے محتاج ہی نہیں ہوا کرتے یعنی نشست وبرخاست، خورد ونوش، لوگوں سے میل جول، پُرسش، احوال، آمد ورفت، خرید وفروخت اور عام دینوی ضروریات کے تحت اقوال وافعال نہ تو وحی کے محتاج ہوتے ہیں اور نہ ہی حضرات انبیا علیہم السلام سے ان کے مخالفین کا روزمرہ کے ان طبعی امور میں کوئی اختلاف ونزاع ہوا کرتا تھا۔ اس کے باوجود دینوی امور میں بھی اگر نبی سے کسی خاص مسئلے میں خطا اور نسیان کا صدور ہوتو اس پر بھی اسے قائم نہیں رہنے دیا جاتا بل کہ کسی نہ کسی ذریعے سے اس پر نبی کو اطلاع ہوجاتی ہے، تاکہ اہل باطل کو یہ بہانہ نہ مل سکے کہ جس طرح بعض دینوی امور میں نبی سے خلاف حقیقت باتوں کا صدور ہوتا ہے، اسی طرح دینی امور میں بھی وہ خطا پر قائم رہ سکتے ہیں۔ غور کیجئے کہ مکی دور میں ظہور رسالت سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ کو صادق اور امین کہا جاتا تھا۔ پس نبی کا ہر قول وفعل چوں کہ وحی حقیقی اور وحی سکوتی یا حکمی کے تابع ہوتا ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے سب اقوال، افعال اور تقریرات حجت ہیں۔ بہ الفاظ دیگر حدیث حجت ہے۔

عام دینوی امور گو فرداً فرداً وحی حقیقی کے محتاج نہیں ہوتے لیکن ان میں بھی جائز وناجائز، حلال

وحرام وغیرہ کے امتیاز کے لئے وحی کی اصولی رہ نمائی درکار ہوتی ہے۔

خامساً اگر مذکورہ بالا وضاحتوں کے بعد بھی ناحق یہ اصرار کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پر زائد اپنے ان اقوال کو وحی سے نہیں بل کہ از خود متعین فرمالیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اجازت دے رکھی تھی تو لازماً یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطا اور نسیان سے محفوظ و مامون یعنی آپ کے معصوم عن الخطا ہونے کا اہتمام وانتظام بھی فرمایا تھا یا نہیں؟ اگر نہیں فرمایا یعنی آپ معصوم عن الخطا نہیں تھے تو اس طرح تو آپ کی طے فرمودہ دینی جزئیات میں خطا اور نسیان کا احتمال یقیناً باقی رہے گا اور یہ ماانزل اللہ (اللہ کی اتاری ہوئی وحی) میں شامل نہیں ہوں گی جب کہ خود منکرین حدیث کا بھی دعویٰ یہی ہے کہ آپ پر قرآن کے علاوہ کسی اور وحی کا نزول نہیں ہوا کرتا تھا۔ اور یہ کتاب اللہ کے مطابق بھی نہیں ہوں گی کیوں کہ ان جزئیات مثلاً نمازوں کی رکعات کی تعداد وغیرہ کے کتاب اللہ سے استنباط (اخذ کرنے) کی کوئی اصل (علت مشترکہ) موجود ہی نہیں چناں چہ دنیا بھر کے عقلا اور دانش ور بھی جمع ہو جائیں تو اس طرح کے مسائل اور جزئیات کا کتاب اللہ سے استنباط ہرگز نہیں کر سکتے۔ پس جب یہ نہ تو ماانزل اللہ میں شامل ہوں گی اور نہ ہی ماانزل اللہ سے ماخوذ اور اس کے مطابق ہوں گی تو ان پر مبنی عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور باہم خصومات کے متعلق فیصلے ماانزل اللہ کے مطابق نہیں ہوں گے۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ جو لوگ ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔ اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ظلم، فسق اور کفر کو منسوب کرنا پڑے گا اور جو بھی بد بخت یہ جسارت کرے وہ خود ہی کافر، ظالم اور فاسق ہے۔ نیز آپ کی طے فرمودہ جن جزئیات میں خطا اور نسیان کا احتمال پیدا ہوا ان کا صحیح ہونا یقینی نہیں بل کہ ظنی ہوگا۔ منکرین حدیث تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ دہائی دیا کرتے ہیں کہ حدیث ظنی ہے اور ظن بہ قول ان کے کسی بھی صورت میں دین نہیں ہو سکتا لہٰذا ان کے اس (باطل) نظریے کے تحت رسول اللہ ﷺ کی طے فرمودہ جزئیات بھی دین میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ جب یہ دین نہ رہیں تو منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کیسے درست رہے گا کہ آپ قرآن کریم پر جس طرح عمل فرمایا کرتے تھے اسی طرح کا قرآنی نظام ہم قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی متعین کردہ جزئیات بھی اپنی اصل کے اعتبار سے ہی ظنی ہونے کی وجہ سے منکرین حدیث کے فلسفے کے مطابق سرے سے دین ہی نہ رہیں تو سراپا عبث قرار پائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی عبث کام کو منسوب کرنا تو کفر ہے اور اگر ساتھ ہی یہ بھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبث کام کی آپ کو اجازت دے رکھی تھی تو یہ کفر پر کفر ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیث کو جو ظنی کہا جاتا ہے تو اس معنیٰ میں قطعاً نہیں کہا

جاتا کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال خود آپ کے لئے یا آپ کے ان اصحاب کے لئے ظنی تھے جنہوں نے بہ ذات خود اپنے کانوں سے ان اقوال کو سنا اور خود اپنی آنکھوں سے آپ کے افعال کا مشاہدہ کیا۔ یعنی حدیث اپنی اصل کے اعتبار سے ہرگز ہرگز ظنی نہیں ہے، ایسا عقیدہ تو کفر ہے۔ صحابہ کرامؓ کے لئے یہ ایسے ہی یقینی اور قطعی تھی جیسے قرآن یقینی اور قطعی ہے۔ حدیث آئندہ نسلوں کے لئے اس معنیٰ میں ظنی ہے کہ بہت سی احادیث کا ہم تک صحیح حالت میں پہنچنے کا یقین ہمیں دلائل کی بنا پر حاصل ہوتا ہے اور دلائل سے حاصل ہونے والے یقین (یقین نظری واستدلالی) کے لئے ظن کا لفظ خود قرآن کریم میں مستعمل ہے۔ مثلاً نماز کے متعلق سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ بھاری (عبادت) ہے لیکن ان لوگوں پر بھاری نہیں ہے جو یہ ظن رکھتے ہیں کہ ان کی ملاقات ان کے رب سے ہونے والی ہے اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں:

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ (۱۰/ج)

یہاں ظن کا لفظ یقین نظری کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، کیوں کہ جسے آخرت کی زندگی پر شک ہو یا اس کا اسے محض گمانِ غالب حاصل ہو تو ایسا شخص تو سرے سے مسلمان ہی نہیں۔ کچھ احادیث کو ظنی اس معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ ان کے ہم تک صحیح حالت میں پہنچنے کا ہمیں دلائل کی بنا پر ظن غالب حاصل ہے جو ان پر عمل کے لئے کافی ہے۔ یہ ظن غالب بھی متعلقہ احادیث وروایات کے متن اور اسناد (راویوں کے سلسلے) کے لحاظ سے ہے ورنہ اعمال سے تعلق رکھنے والی احادیث کا مفہوم اکثر وبیش تر صورتوں میں طبقاتی وعملی تواتر کی بنا پر یقینی ہے۔ ادھر منکرین حدیث کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال وافعال سے بہت سی دینی جزئیات اور مسائل کو متعین فرمایا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی رٹ لگاتے ہیں کہ آپ کے یہ اقوال وافعال وحی نہیں تھے، کیوں کہ بہ قول ان کے قرآن کے علاوہ اور کسی بھی طرح کی وحی آپ پر سرے سے نازل ہی نہیں ہوئی۔ اب اگر وہ آپ کو معصوم عن الخطا بھی قرار نہیں دیتے اور آپ کے اقوال وافعال کو وحی بھی نہیں سمجھتے تو لازماً ان اقوال وافعال میں خطا کا احتمال باقی رہے گا۔ لہٰذا ان کا تو اولیں مرحلے میں ہی صحیح ہونا (معاذ اللہ) یقینی نہ رہا بل کہ ظنی ہو گیا۔ یعنی یہ اقوال وافعال بہ ذات خود اپنے صدور وظہور کے وقت سے ہی اپنی اصل کے اعتبار سے ظنی تھے۔ چوں کہ منکرین حدیث کے نزدیک ظنی چیز، دین ہو ہی نہیں سکتی، لہٰذا آپ کے یہ تمام اقوال وافعال (معاذ اللہ) سرے سے دین نہ رہے۔ ان کے آئندہ نسلوں تک یقینی یا ظنی ذرائع سے پہنچنے یا نہ پہنچنے کا سوال تو بہت بعد کی بات ہے۔ پس دل چسپ امر یہ ہے کہ منکرین حدیث کے باطل مفروضات کو صحیح قرار دینے سے خود ان ہی پر یہ

کہاوت پوری طرح چسپاں ہوتی ہے کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ جب ان کے باطل نظریات کی رو سے خود رسول اللہ ﷺ کی طے فرمودہ جزئیات بھی ہرگز یقینی نہیں ہوسکتیں بل کہ ظنی اور منکرین حدیث کے اپنے عندیے کے مطابق دین سے خارج ہوں گی تو بعد کے کسی مرکز ملت یا کسی بھی غیر معصوم فرد یا افراد کی متعین کردہ جزئیات بھی ہرگز یقینی نہیں ہوسکتیں بل کہ وہ بھی ظنی اور خارج از دین ہوں گی۔ جس ظن سے پیچھا چھڑانے کے لئے منکرین حدیث نے حدیث کا انکار کیا تھا تو اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ظن تو پھر بھی ہر حال اور ہر زمانے میں ان کے گلے کا طوق بنا ہی رہے گا۔ پس اگر اس خطرناک صورت حال سے پریشان ہو کر وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ معصوم عن الخطا تھے اور ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہیں کہ قرآن پر زائد دینی مسائل اور جزئیات کو متعین کرنے کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دے رکھی تھی تو اس صورت میں آپ کی متعین کردہ اور طے فرمودہ ایسی تمام جزئیات اگر حقیقتاً نہ سہی تو بھی حکماً وحی میں ہی شمار ہوں گی اور کسی بھی حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) یا کسی بھی اور شخص کو یہ حق ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوگا کہ وہ از خود یا دوسروں کے مشورے سے ان جزئیات میں تغیر وتبدل یا ترمیم وتنسیخ کرتا پھرے وھوالمطلوب۔ منکرین حدیث کے ہاتھ کیا آیا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کا حجت ہونا تو سرے سے خلل پذیر ہی نہ ہوا۔ تاہم اصل حقیقت یہی ہے جیسا کہ قرآنی مضامین سے اوپر ثابت بھی کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم پر زائد دین کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال وافعال اکثر وبیشتر وحی غیر ملکی اور بعض صورتوں میں وحی ملکی پر مبنی ہیں۔ اور بعض انبیاء مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خود رسول اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے پس پردہ بھی کلام فرمایا ہے۔ دین کے متعلق جو بعض مسائل آپ نے اپنے اجتہاد وقیاس سے بیان فرمائے تو چوں کہ آپ دیگر انبیا علیہم السلام کی طرح معصوم عن الخطا ہیں اس لئے شاذ ونادر صورتوں میں آپ سے اجتہادی خطا ہوئی تو وحی ملکی یا غیر ملکی کے ذریعے آپ کو اس پر مطلع فرما دیا گیا اور اصلاح بھی کر دی گئی، لہٰذا یہ صورتیں بھی وحی حقیقی میں شامل ہوگئیں۔ آپ کے جن اجتہادی مسائل اور فیصلوں پر اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا تو بھی حقیقتاً نہ سہی لیکن حکماً وحی کے ہی تابع ہوگئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سکوت سے ان کے صحیح ہونے کی تصویب وتوثیق فرما دی۔ اگر یہ غلط ہوں اور اللہ تعالیٰ اس پر خاموش رہے اور آپ کو متنبہ نہ فرمائے تو آپ کو معصوم عن الخطا قرار دینا درست نہ رہے گا۔ جہاں تک روزمرہ کے طبعی امور کا تعلق ہے تو ان میں فرداً فرداً نہ تو حقیقی وحی کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور نہ ہی اس طرح کے امور میں مخالفین ومعاندین کا حضرات انبیا علیہم السلام سے نزاع ہوتا ہے، لیکن چوں کہ حضرات انبیا علیہم السلام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں لہٰذا دنیوی امور میں بھی ان کے اقوال وافعال کو

حقیقی وحی میں داخل نہ ہوں تو بھی لازماً حقیقی وحی کے تابع ہوں گے۔ نیز دنیوی امور اگرچہ فرداً فرداً حقیقی وحی کے محتاج نہیں ہوتے لیکن حقیقی وحی کی اصولی رہنمائی سے بے نیاز بھی نہیں ہوتے۔

سادساً اگر منکرین حدیث پھر بھی اپنے اس جھوٹ پر قائم رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینی جزئیات وحی سے نہیں بل کہ صحابہ کرام کے مشورے سے متعین فرمایا کرتے تھے اور مشورے کی وجہ سے خطا اور نسیان کے تمام احتمالات معدوم ہوجاتے ہیں اس لئے ہر دور کا حاکم اعلیٰ جب ایسا کیا کرے گا تو اس کی طے کردہ جزئیات میں بھی خطا اور نسیان کا احتمال نہیں رہے گا تو ان کا یہ قول بھی سراسر مردود ہے۔ جس طبقاتی تواتر اور تسلسل سے ہم تک قرآن پہنچا ہے اسی طبقاتی تواتر سے یہ بات بھی پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب سے مشورہ انتظامی وتدبیری امور میں ہوا کرتا تھا۔ چناں چہ اس سلسلے میں ضعیف تو کیا، ذخیرۂ احادیث میں کوئی جھوٹی روایت بھی نہیں ملے گی کہ مثلاً آپ نے نمازوں کی رکعات اور زکوٰۃ کی شرح اور نصاب کا تعین، عیدین کے ایام کی تخصیص، حج کے مناسک کی تفصیل وغیرہ لاتعداد دینی جزئیات صحابہ کرامؓ کے مشورے سے طے فرمائی تھیں۔ نیز انتظامی اور تدبیری امور میں صحابہ کرام سے مشورے کے باوجود یہ کہنا قطعاً غلط ہوگا کہ مشوروں پر مبنی فیصلوں میں کبھی بھی اجتہادی خطا کا صدور نہیں ہوا کرتا تھا۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ آپ نے صحابۂ کرام کے مشورے سے ہی فرمایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ فیصلہ خلاف اولیٰ (کم بہتر) تھا۔ اولیٰ (بہتر) فیصلہ یہی تھا کہ ان قیدیوں کو تہ تیغ کیا جاتا جیسا کہ سورۂ انفال کے متعلقہ مضامین سے واضح ہے (۱۱/الف) نیز طبقاتی تواتر اور تسلسل سے یہ تاریخی واقعات بھی ہم تک پہنچے ہیں کہ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط کسی ایک بھی صحابی کو پسند نہیں تھیں۔ یہ بہ ظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نظر آتی تھیں۔ صلح نامہ لکھوانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے ساتھیوں کو اپنے اپنے قربانی کے جانور ذبح کرنے اور احرام کھولنے کا حکم صادر فرمایا تو پہلے پہل کوئی ایک بھی شخص تعمیل حکم کے لئے نہ اٹھا۔ اس پر آپ کو رنج بھی ہوا جس کا اظہار آپ نے اپنی شریک سفر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ پر فرمایا۔ ام المومنین نے مشورہ دیا کہ سب سے پہلے آپ خود اپنی قربانی کا جانور ذبح فرمائیں گے تو آپ کے سب اصحاب بھی آپ کی پیروی میں اپنے اپنے جانور ذبح کرنا شروع کردیں گے۔ ام المومنین کے صائب مشورے پر جب آپ ﷺ نے عمل فرمایا تو سب نے اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کرنا شروع کردئے۔ لیکن صلح نامہ حدیبیہ کے شرائط پر شدید رنج وغم میں ان کا حال یہ تھا کہ جب احرام کھولنے کے لئے وہ ایک دوسرے کے سر کے بال کاٹنے اور مونڈنے لگے تو لگتا یہ تھا کہ شدت غم سے وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹ بیٹھیں گے۔ غور کیجئے اگر صلح نامے کی شرائط پر آپ سختی سے قائم نہ رہتے اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرماتے تو کوئی ایک

بھی صحابی ان شرائط کے حق میں مشورہ نہ دیتا، لیکن صحابہ کرامؓ کی اس مسئلے میں متفقہ رائے بھی اللہ کے نزدیک درست نہیں تھی بل کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہی درست تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو سورۂ فتح میں فتح مبین قرار دیا۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ آپ کی صواب دید اور رائے کے مقابلے میں بعض اوقات صحابہ کرامؓ کی کثرت رائے تو ایک طرف رہی، متفقہ رائے بھی غلط ہو سکتی تھی۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ گو اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا کرتے تھے لیکن آپ کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں تھا کہ آپ ہر حال میں ان کے مشوروں کو قبول کر کے ان پر عمل بھی فرمائیں۔ یہاں یہ شبہہ باطل ہے کہ اگر کسی مسئلے میں صحابہ کرامؓ کی متفقہ رائے بھی غلط ہو سکتی ہے تو اجماع (اہل علم کے اتفاق رائے) کو شرعاً حجت قرار دینا کیسے درست ہوا۔ نبی کی دینوی حیات طیبہ میں تو اجماع کا تصور ہی غلط ہے، کیوں کہ اس کی ضرورت تو نبی کی وفات کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اپنی دنیوی حیوٰۃ طیبہ میں نبی بہ ذات مورد وحی ہونے کی وجہ سے مرجع خلائق ہوتا ہے۔ نبی کی رائے جب ابتدا ہی سے وحی کی بنا پر ہو یا بعد میں اس کی تائید و توثیق وحی حقیقی یا حکمی سے ہو جائے تو اگر دنیا بھر کے لوگ بھی اس کے خلاف متفق ہو جائیں تو اسے ہرگز اصطلاحی اجماع نہیں کہا جائے گا۔ ہاں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی دینی امر میں اہل علم کا اتفاق رائے اصطلاحی اعتبار سے اجماع کہلاتا ہے۔ ایسا اجماع دین میں حجت ہے اور کبھی غلط نہیں ہوا کرتا۔ لیکن اجماع کا غلط نہ ہونا عقلی دلیل سے نہیں بل کہ قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے ثابت ہے اس لئے دینی امور میں اجماع کا غلط ہونا محال شرعی تو ہے محال عقلی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیوی امور میں مسلمان تو ایک طرف رہے پوری دنیا کا اجماع بھی غلط ہو سکتا ہے۔ مثلاً عناصر (elements) کے متعلق پوری دنیا سیکڑوں برس تک متفق رہی ہے کہ ان کی تعداد چار ہے۔ پوری امت مسلمہ بھی اس کی قائل رہی ہے۔ سائنسی علوم سے نابلد حضرات آج بھی عناصر اربعہ کی گردان لگاتے رہتے ہیں، حال آں کہ ان کی تعداد سو سے بھی زائد دریافت کی جا چکی ہے۔ وہ تاریخی جزئیات بھی دنیوی امور میں ہی شامل ہیں جن کا دینی عقائد، معاملات و اخلاق سے کوئی تعلق نہ ہو اور جن پر کسی دینی مسئلے کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا موقوف نہ ہو۔ ایسی تاریخی جزئیات میں بھی متعلقہ اہل علم کا اجماع غلط ہو سکتا ہے مثلاً تمام اہل سیر و مغازی نے یہی بیان کیا ہے کہ سال ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک پہلے اور حج ابی بکر صدیق بعد میں ہوا، حال آں کہ دو اور دو چار کی طرح اصل حقیقت یہ ہے کہ حج ابی بکر صدیق مقدم اور غزوۂ تبوک موخر ہے۔ ہم اسے رسول اللہ ﷺ کے مدنی دور کے واقعات میں نا قابل تردید دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔ (۱۱/ب) نیز دینی امور میں اجماع کا غلط نہ ہونا اور شرعاً حجت ہونا صرف امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات سے ہے۔ اگر پوری امت

(معاذ اللہ) کسی غلط دینی مسئلے پر متفق ہو جائے تو اس کی اصلاح کے لئے کوئی نیا نبی تو نہیں آئے گا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اس کے برعکس مثلاً دیکھئے محرف عیسائیت میں عیسائی سیکڑوں برس سے اس پر متفق چلے آرہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نوع انسانی کے گناہوں کی خاطر مصلوب ہو گئے تھے۔ دور حاضر کی معتبر ترین حوالے کی کتب مثلاً انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا وغیرہ میں بھی اسی دروغ بے فروغ کی تکرار موجود ہے۔

سابقاً مذکورہ بالا مباحث سے واضح ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال یعنی حدیث کا بہت بڑا حصہ وحی حقیقی پر مشتمل ہے اور بعض دینی امور کا کچھ حصہ اور دنیوی امور تقریباً سب کے سب حقیقتاً وحی نہ سہی لیکن پھر بھی حکماً وحی کے تابع ہیں کیوں کہ دیگر انبیا علیہم السلام کی طرح آپ کو دینی و دنیوی امور میں کسی خطا اور نسیان پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا تھا اور اسی معنیٰ میں آپ معصوم عن الخطا تھے۔ پس بلا خوف وخطر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا کوئی بھی قول وفعل ایسا نہیں جو صرف آپ کی اپنی خواہش نفس پر مبنی ہو بل کہ آپ لازماً وحی ربانی کے تابع تھے خواہ یہ وحی حقیقی ہو یا وحی حکمی (سکوتی وتقریری) ہو۔ چناں چہ سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (۱۱/ج)

تمہارا ساتھی (یعنی یہ پیغمبر) نہ گم راہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے اور نہ ہی وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو (اس کی طرف) کی جاتی ہے۔

ضلالت وہ گم راہی ہے جو جہالت اور بے خبری کی وجہ سے ہو اور غوایت وہ کج روی ہے جو حق کو سمجھنے اور جاننے کے باوجود اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح کی نظری وعملی گم راہی سے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو پاکیزہ ٹھہرایا ہے اور زبان کی یعنی قولی گم راہی سے بھی آپ کی تنزیہہ فرمائی ہے۔ دینی امور میں آپ کے فعل کی طرح آپ کا قول بھی خواہش نفس سے نہیں بل کہ وحی ربانی کی بنا پر ہے۔ قرآن کریم آپ پر صرف وحی ملکی کے ذریعہ نازل ہوا حال آں کہ آپ پر وحی غیر ملکی (فرشتہ بھیجے بغیر وحی) کا نزول بھی یقیناً ہوا۔ پس قرآن پر زائد آپ کے وہ اقوال وافعال جو قرآن کریم کے مجمل مضامین کی تشریح وتوضیح کرتے ہیں اور ان اوامر ونواہی وغیرہ کو بھی بیان کرتے ہیں جو قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہیں، یہ سب کے سب وحی پر ہی مبنی ہیں۔ یعنی قرآن کی طرح بیان قرآن بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اسی لئے سورۂ نجم کی مذکور بالا آیات میں ضمیر ھُوَ کا مرجع نطق رسول (رسول کا بولنا) ہے جیسا کہ کلمات

ومایُنطق سے واضح بھی ہو رہا ہے اور نطق رسول میں بھی قرآن اور غیر قرآن دونوں طرح کا نطق شامل ہے ورنہ آیات میں ''القرآن'' لاکر ضمیر کا مرجع صرف ''القرآن ہی کو قرار دیا جاتا۔ کلام میں جو لفظ مذکور ہی نہ ہو اسے ضمیر کا مرجع قرار دینا خلاف قاعدہ ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم تو دراصل نطق رسول نہیں بل کہ نطق باری تعالیٰ ہے۔ اس کے کلمات اور معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ کلام اللہ ہے۔ یہ مخلوق کا نہیں بل کہ خالق کا کلام ہے لہٰذا اسے نطق رسول قرار دینا مجازاً ہے جب کہ قرآن پر زائد قرآن ہی کی تشریح اور توضیح میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال حقیقتاً نطق رسول ہیں، کیوں کہ اقوال رسول کو حدیث رسول اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ ان کے معانی ومضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جنہیں الفاظ کا جامہ خود رسول اللہ ﷺ نے پہنایا ہے۔ جب آپ کے دینی اقوال حقیقتاً نطق رسول ہیں، اور قرآن کریم مجازاً نطق رسول ہے کہ یہ حقیقتاً تو اللہ کا نطق ہے اور رسول کی زبان پر جاری ہونے کی وجہ سے مجازاً نطق رسول ہے تو آیت وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی میں مجازی نطق رسول (قرآن کریم) کو تو شامل کیا جائے اور حقیقی نطق رسول (حدیث) کو خارج کر دیا جائے تو اس کا غلط ہونا بالکل واضح اور اظہر من الشمس ہے۔ اس کے باوجود اگر منکرین حدیث یہ کہیں کہ ضمیر ھُو کا مرجع صرف قرآن ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے قرآن کو ترتیب نزولی کی بہ جائے جو ترتیب توقیفی میں بدل دیا تو کیا یہ آپ نے اپنی خواہش نفس اور اپنی مرضی سے کیا یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا؟ اگر اپنی مرضی سے کیا تو اگر مخلوق کے کلام میں کوئی شخص متکلم کی مرضی اور اجازت کے بغیر کلمات کو مقدم وموخر کر کے ان کا اصل مقام بدل ڈالے تو اسے تحریف قرار دیا جائے گا۔ قرآن کریم تو اللہ کا کلام ہے اس کے کلمات اور اس کی آیات کو اگر رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرضی اور خواہش سے مقدم وموخر کر دیا ہے تو قرآن کریم کو اولین مرحلے ہی میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) محرف قرار دینا ہوگا۔ منکرین حدیث نے حدیث سے تو دست برداری اختیار کر ہی لی، اس صورت میں تو قرآن بھی غیر محفوظ اور محرف قرار پا کر ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ نیز اسی قرآن میں آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان بھی کرایا گیا ہے:

مَایَکُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَائِیْ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰی اِلَیَّ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ○ (۱۲/الف)

مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس (قرآن) کو بدل ڈالوں، میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بلاشبہ میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

اب اگر یہ بے ہودہ بات کہی جائے کہ آپ نے اپنی طرف سے آیات کو مقدم وموخر کر کے قرآن کی ترتیب نزولی کو ترتیب توقیفی میں بدل ڈالا تو ساتھ ہی یہ خبیث بات بھی ماننی پڑے گی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے جو اعلان کرایا تھا کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس قرآن کو بدل ڈالوں تو یہ اعلان (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جھوٹا تھا اور یہ خبیث بات بھی ماننی پڑے گی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ جو فرمایا تھا کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے یقیناً ایک بڑے دن کے عذاب کا خدشہ ہے، تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ اپنے اس اعلان میں بھی جھوٹے تھے اور آپ کو قیامت کے دن کے عذاب کا کوئی خوف نہیں تھا، اس لئے ترتیب نزولی کو ترتیب توقیفی میں اپنی مرضی سے بے دھڑک بدل ڈالا۔ ان خبیث مفروضات سے بچ نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ قرآن کریم کو نزولی ترتیب کی بہ جائے توقیفی ترتیب میں بدلنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہرگز (پھر دہرائیے) ہرگز نہیں تھا۔ لیکن یہ حکم قرآن کریم میں تو کہیں موجود نہیں، پس لامحالہ آپ کو یہ حکم غیر قرآنی وحی کے ذریعے دیا گیا تھا۔ جب آپ پر قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی کا نزول ہر طرح سے ثابت ہو رہا ہے تو آیت "اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں ھو کا مرجع صرف قرآن کریم کو ٹھہرانا اور وحی کو قرآن میں ہی محصور سمجھ لینا کسی طرح بھی درست نہیں وھو المطلوب۔ پس رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال وحی حقیقی اور بعض صورتوں میں وحی حکمی (وحی سکوتی وتقریری) پر مبنی تھے۔ مزاح اور خوش طبعی کے مواقع پر بھی آپ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ (۱۲/ ب) اسی طرح حالت غیظ وغضب میں بھی آپ کی زبان مبارک سے کوئی خلاف حقیقت بات نہیں نکلتی تھی۔ دینی ودنیوی امور میں اگر شاذ ونادر صورتوں میں وحی حقیقی نہ ہونے کی وجہ سے بہ تقاضائے بشریت کبھی آپ سے خطا اور نسیان کا صدور ہوا تو آپ کو ہرگز اس پر قائم نہیں رہنے دیا گیا تو آپ کے ایسے اقوال بھی وحی حقیقی کے تابع ہو گئے اور آپ کے جن اقوال وافعال پر اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا تو ایسے تمام اقوال وافعال بھی حکماً وحی کے تابع ہو گئے۔ پس منکرین حدیث کا دنیوی امور کی آڑ میں یہ دعویٰ کرنا کہ آپ پر قرآن کے علاوہ کوئی اور وحی نازل نہیں ہوا کرتی تھی یک سر باطل اور مردود ہے۔ چناں چہ آپ سے متعدد مرتبہ یہ اعلان کرایا گیا ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (۱۲/ ج)

میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

سورۂ اعراف میں ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (۱۳/ الف)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ میں صرف اور صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

غور کیجئے اس طرح کی آیات میں آپ سے یہ نہیں کہلوایا گیا کہ میں تو صرف اور صرف قرآن ہی کی پیروی کرتا ہوں۔ آپ سے قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی کے اتباع کا اعلان کرایا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں ہے:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (۱۳/ب)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں ڈراؤں اور ہر اس شخص کو بھی ڈراؤں جس تک یہ (قرآن) پہنچے۔

یہاں کوئی کلمہ حصر "اِنَّمَا" وغیرہ ہرگز نہیں کہ آیت کا مفہوم یہ لیا جائے کہ میری طرف صرف اور صرف قرآن وحی کیا گیا ہے۔ کلمۂ حصر کو قرآن کے ساتھ نہیں بل کہ مطلق وحی کے ساتھ لایا گیا ہے جس میں قرآنی اور غیر قرآنی، ملکی اور غیر ملکی ہر طرح کی وحی شامل ہے۔ لہٰذا منکرین حدیث کا سورۂ انعام کے قرآنی کلمات وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْآن اور سورۂ اعراف کے کلمات اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اور سورۂ انبیا کی آیت اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ کو باہم ملا کر یہ ظاہر کرنا سراسر فریب اور دھوکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ کسی اور وحی کا نزول نہیں ہوا کرتا تھا۔ (۱۳/ج) جہاں یہ مضمون ہے کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، وہاں کوئی کلمۂ حصر نہیں اور جہاں کلمۂ حصر موجود ہے وہاں قرآن کا نہیں بل کہ وحی کا ذکر ہے جو قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی کو شامل ہے۔

الغرض رسول اللہ ﷺ سے جب متعدد مرتبہ یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ میں تو صرف اور صرف وحی ہی کی اتباع کرتا ہوں، تو اگر قرآن کریم کے مجمل و مشکل مضامین واحکام کی تشریح و توضیح میں قرآن پر زائد آپ کے اقوال اور افعال کو وحی قرار نہ دیا جائے تو آپ سے یہ اعلان کرانا کہ میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں (معاذ اللہ) جھوٹ ہوا۔ اگر قرآن کریم کے مجمل مضامین واحکام کی تشریح و توضیح اللہ تعالیٰ نے آپ پر نہیں فرمائی تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی (معاذ اللہ) جھوٹا ہوا:

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

پھر ہمارے ہی ذمے اس (قرآن) کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کا کلام اس عیب سے پاک ہے۔ جھوٹے وہی ہیں جو آپ کے دینی اقوال و افعال کو وحی حقیقی اور آپ کے بعض دینی اجتہادات اور دنیوی امور میں آپ کے اقوال کو وحی حکمی سے خارج

کرتے ہیں، اور آپ کے دنیوی افعال کو بھی وحی کے تابع نہیں سمجھتے۔

ثامناً رسول اللہ ﷺ نے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق ایسی غیبی خبریں بیان فرمائیں جو قرآن کریم میں مذکور نہیں اور یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ آپ نے یہ خبریں غیر قرآنی وحی کے ذریعے دیں۔

تاسعاً قرآن کریم میں متعدد ایسے واقعات اور امور بیان کئے گئے ہیں جن سے بہ خوبی واضح ہوتا ہے کہ آپ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا نزول بھی ہوا کرتا تھا۔ ہم یہ سب کچھ ان شاء اللہ العزیز آئندہ مباحث میں مناسب مقام پر قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔

تیسری شق: جب یہ دونوں شقیں ہر طرح، ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے قطعاً باطل ثابت ہو رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دین میں کوئی بھی قول و فعل حجت نہیں یا آپ کے بعض اقوال و افعال تو حجت ہیں اور بعض نہیں، تو یہ تیسری شق از خود ثابت اور متحقق ہوگئی کہ دین میں آپ کے سب اقوال و افعال حجت ہیں اور آپ کی تقریرات بھی حجت ہیں، یعنی ان اقوال و افعال کا صحیح ہونا بھی ثابت ہوگیا جو لوگوں سے آپ کے روبرو صادر ہوئے اور آپ نے ان پر سکوت فرمایا۔ یہی سکوتِ رسول تقریرِ رسول ہے کہ آپ نے اپنے سکوت سے ان اقوال و افعال کی تصویب و توثیق فرمادی۔ پس دینی امور میں صرف قرآن ہی حجت نہیں بل کہ صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کے اقوال، لفعال اور تقریرات بھی حجت ہیں۔ بہ الفاظ دیگر حدیث رسول بھی حجت ہے۔ وھوالمطلوب۔ خالص دنیوی اُمور میں جو طبعاً ہر کسی کو لاحق ہوتے ہیں ان میں بھی اگر کوئی شخص از راہ محبت و عقیدت آپ کی اتباع کرتا ہے تو یہ اس کا ذوق و شوق ہے اور ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے اس کا اجر بھی ملے گا۔ آپ کے ایسے امور کو سنن زوائد کہا جاتا ہے۔ البتہ دینی امور میں آپ کے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی سنت و حدیث کو سنن ھدیٰ قرار دیئے اور انہیں حجت (واجب التسلیم) سمجھے بغیر چارہ نہیں، واجب التسلیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دل سے قبول کیا جائے اور فقہی اعتبار سے ان کی جو حیثیت ہے، اس کے مطابق ان پر عمل کیا جائے۔

مذکورہ بالا مباحث کے ضمن میں یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ دینی اقوال اور افعال جو قرآن پر اس معنیٰ میں زائد ہیں ہیں کہ ان سے قرآن کریم کے مجمل مضامین و احکام کی تشریح ہو رہی ہو یا یہ سرے سے قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہ ہوں، تو ہم نے یہاں صراحتاً کی قید اس لئے لگائی ہے کہ شریعت کا کوئی امر و نہی بھی ایسا نہیں جس کی اصل قرآن مجید میں بالکل موجود ہی نہ ہو۔ قرآن کریم میں بار بار رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور آپ کی معصیت پر سخت وعیدی مضامین لائے گئے ہیں۔ اور مثلاً سورۂ حشر میں اموال فے کے مصارف کے ضمن میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا

رسول (دین کے متعلق) جو کچھ تمہیں دے اسے لیا کرو اور جس چیز سے منع فرمادے تو اس سے رک جایا کرو۔ (۱۴/الف)

ب: بہ حوالہ ''عصمتِ انبیا علیہم السلام''

منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کچھ بولنا وحی تھا اور کچھ وحی نہیں تھا۔ اس کے استدلال میں وہ سورۂ سبا کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْ اِلَیَّ رَبِّیْ (۱۴/ب) اس آیت کا ترجمہ وہ یوں کرتے ہیں: ان سے کہہ دو کہ میں اگر غلطی کرتا ہوں تو یہ غلطی میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے (یا اس کا وبال مجھ پر پڑتا ہے) اور اگر میں سیدھے راستے پر ہوتا ہوں تو یہ اس وحی کی بنا پر ہوتا ہے جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے۔

منکرین حدیث کا مذکورہ طرز کا استدلال اگر غلط ہے تو یہی بات درست ہے۔ اگر ان کے استدلال کو درست کہا جائے تو یہ قول درج ذیل توضیحات کی بنا پر یک سر باطل اور مردود ہے:

۱۔ قرآن کریم کے مجمل مضامین و احکام کی تشریح و توضیح میں جو دینی جزئیات و مسائل رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال و افعال سے بیان فرمائے ہیں اور جو ایسے اوامر و نواہی دیئے ہیں اور ایسے مضامین ارشاد فرمائے ہیں جن کا قرآن کریم میں صراحتاً کوئی ذکر نہیں، تو اگر آپ کے متعلقہ اقوال و افعال وحی سے ہیں (اور آپ کے اقوال و افعال ہی کو حدیث کہا جاتا ہے) تو حدیث کا وحی ہونے کی بنا پر حجت (واجب التسلیم) ہونا ثابت ہوگیا۔ اور اگر آپ کے یہ متعلقہ اقوال و افعال وحی کی بنا پر نہیں ہیں اور آپ کو خطا اور نسیان پر قائم نہ رکھنے کا بھی کوئی اہتمام و انتظام اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے تو ہر غیر معصوم کے اقوال و افعال میں خطا اور نسیان کا احتمال یقیناً موجود ہوا کرتا ہے۔ پس آپ کے ان اقوال و افعال کا صحیح ہونا یقینی نہ رہا بل کہ سراسر ظنی ہوگیا۔ منکرین حدیث نے تو حدیث کا انکار اسی لئے کیا تھا کہ حدیث ہم تک ظنی ذرائع سے پہنچی ہے اور ظن منکرین حدیث کے نزدیک دین ہو ہی نہیں سکتا، پس ان کے اپنے موقف کی رو سے جب رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اپنے ظہور و صدور کے وقت سے ہی ظنی ٹھہرے تو (معاذ اللہ) ہرگز دین نہ ہوئے۔ منکرین حدیث کی خود ساختہ اصطلاح کے مطابق آپ امت مسلمہ کے پہلے مرکز ملت (حاکم اعلیٰ) تھے۔ جب پہلے مرکز ملت یعنی خود رسول اللہ ﷺ کی متعین کردہ جزئیات نہ (معاذ اللہ) دین ہیں اور نہ ہی حجت ہیں تو بعد والے کسی مرکز ملت کی طے کردہ جزئیات کیسے دین ہوسکتی ہیں اور یہ لوگوں پر حجت بھی کیوں کر ہوسکتی ہیں؟

۲۔ اگر منکرین حدیث کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے قرآن کی تشریح وتوضیح میں قرآن پر زائد یہ اقوال وافعال وحی نہیں ہیں اور نہ ہی آپ معصوم عن الخطا ہیں تو عبادات معاملات، معاشرت اور اخلاق کے لاتعداد مسائل میں اور اسی طرح لوگوں کے درمیان اختلاف ونزاع کی صورت میں آپ نے اپنے ان اقوال وافعال کی رو سے جو بھی فیصلے صادر فرمائے اور جو بھی اوامر ونواہی جاری فرمائے تو وہ ماانزل اللہ (جو اللہ نے اتارا) میں شامل نہیں ہوں گے اور قرآن کریم کے بھی مطابق نہیں ہوں گے کیوں کہ قرآن پر زائد یہ جزئیات ومسائل تو قرآن میں صراحتاً مذکور ہی نہیں اگر مذکور بھی ہیں تو ان کی تفصیل موجود نہیں۔ ان کا قرآن سے اخذ واستنباط بھی نہیں ہوسکتا کیوں کہ استنباط کے لئے کوئی بنیاد بھی تو ہونی چاہئے۔ دنیا بھر کے عقل مند جمع ہوکر بھی قرآن سے یہ معلوم نہیں کرسکتے کہ اسے ترتیب نزولی کی بہ جائے ترتیب توقیفی میں ہونا چاہئے۔ دنیا بھر کے دانش ور اکٹھے ہوکر بھی یہ معلوم نہیں کرسکتے کہ فجر کی نماز میں دو رکعات، مغرب کی نماز میں تین رکعات، ظہر عصر اور عشا کی نمازوں میں چار رکعات فرض ہیں۔ دنیا بھر کے سمجھ دار لوگ یک جا ہوکر بھی قرآن سے یہ معلوم نہیں کرسکتے کہ بیت اللہ کے طواف کے سات چکر ہوتے ہیں۔ اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ تو جب منکرین حدیث کے موقف کے مطابق آپ کی متعین کردہ جزئیات نہ تو ماانزل اللہ (وحی) ہیں اور نہ ہی قرآن کریم سے ماخوذ ہیں تو آپ کے تمام دینی فیصلے، اوامر ونواہی اور قضایا ماانزل اللہ کے مطابق قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں، وہ ظالم ہیں، وہ فاسق ہیں۔ (۱۴/ج) ان (خبیث) مفروضات کو ماننے کی صورت میں جب منکرین حدیث کی اصطلاح کے مطابق اولیں مرکز ملت یعنی رسول اللہ ﷺ بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کافر، ظالم اور فاسق قرار پاتے ہیں تو بعد میں آنے والے مراکز ملت کا کیا حال ہوگا؟ اگر منکرین حدیث قرآن کریم کے مفصل ہونے کا یہ مطلب بیان کریں کہ اس میں زندگی کے عملی مسائل کے متعلق ساری کی ساری جزئیات شامل ہیں تو اس قول کا غلط ہونا بالکل بدیہی ہے، کیوں کہ یہاں بات ہی رسول اللہ ﷺ کے (قرآن کے مجمل مضامین واحکام کی تشریح وتوضیح میں) ان اقوال وافعال کی ہورہی ہے جو قرآن پر زائد ہیں اور جن کے بغیر قرآن پر عمل ممکن نہیں۔ منکر حدیث محمد اسلم جیراج پوری نے لکھا ہے:

> ہمارا ایمان ہے کہ قرآن تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ضابطۂ حیات میں ہر قسم کے مسائل ومعاملات کے لئے جزئی اور فرعی احکام نہیں دیئے جاسکتے۔ (۱۵/الف)

پس رسول اللہ ﷺ نے قرآن پر زائد جو جزئیات بیان فرمائیں اور جو فروعی احکام صادر فرمائے اگر وہ وحی نہیں ہیں تو ما انزل اللہ میں شامل نہ ہوئے اور قرآن کریم سے ماخوذ نہ ہونے کی وجہ سے ما انزل اللہ کے مطابق بھی نہ ہوئے اور ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا ہے تو جب امت مسلمہ کے پہلے مرکز ملت کا منکرین حدیث کے خبیث نظریات کے مطابق یہ حال ہوا تو بعد میں آنے والے مراکز ملت کا کیا حال ہوگا؟

۳۔ جب قرآن کریم پر زائد رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال منکرین حدیث کے نزدیک وحی نہیں اور نہ ہی ان کے نزدیک آپ معصوم عن الخطا ہیں تو دین میں اپنی طرف سے مسائل گھڑ لینے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مشرک قرار دیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ○ (۱۵/ب)

کیا ان لوگوں کے لئے (اللہ کے) ایسے شریک بھی ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کی وہ باتیں نکالیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اس صورت میں منکرین حدیث کی اصطلاح کے مطابق جب اولیں مرکز ملت یعنی رسول اللہ ﷺ کو ہی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مشرک ٹھہراتا ہوگا تو بعد والے مراکز ملت کے متعلق ان کا کیا خیال ہے؟

۴۔ جب مذکورہ بالا (خبیث) مفروضات کو ماننے سے رسول اللہ ﷺ کے بیان فرمودہ اقوال اور آپ کے افعال دین ہی نہیں بل کہ ظنی ہونے کے ساتھ ساتھ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کفر، شرک، ظلم اور فسق کے اوصاف رذیلہ سے بھی آلودہ ہوں گے تو اگر اللہ تعالیٰ نے ایسے اقوال وافعال کا آپ کو حکم دے رکھا تھا تو ایسا عقیدہ اور ایسا خیال تو کفر پر کفر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ایسے اقوال وافعال کی آپ کو اجازت ہی نہیں دی تھی تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ آپ کے یہ اقوال وافعال دین نہیں تو آنے والے مراکز ملت کے اقوال وافعال کیوں کر دین قرار پائیں گے اور قرآن پر عمل کا منکرین حدیث کا دعویٰ کیسے درست قرار پائے گا؟

۵۔ پس یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے وحی حاصل کرنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے میں نبی سے ہرگز کوئی غلطی صادر نہیں ہوئی۔ عملی زندگی میں اس وحی کے اجرا و نفاذ میں شاذ و نادر صورتوں میں نبی نے اولیٰ (زیادہ بہتر) کی بہ جائے کوئی خلاف اولیٰ (کم بہتر) صورت اختیار کر لی ہو تو اسے ہرگز ہرگز اس خطا اور نسیان پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا بل کہ لازماً اس پر نبی کو اطلاع اور غلطی کی اصلاح کر دی

جاتی ہے۔ اسی معنی میں نبی کو معصوم عن الخطا کہا جاتا ہے۔ لفظ معصوم یہاں اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ نبی کے معصوم عن الخطا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کسی بھی صورت میں کبھی بھی شاذ و نادر مواقع پر بھی بہ تقاضائے بشریت سہو و نسیان کی بنا پر غلطی ہو ہی نہیں سکتی، یا کسی معاملے میں دو جائز صورتوں میں سے خلاف اولیٰ (کم بہتر) کو وہ اختیار ہی نہیں کرتا بل کہ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں اسے ہرگز ہرگز غلطی یا خلاف اولیٰ صورت پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔ یوں اس کا ہر قول و فعل ہر طرح کی نہ صرف معمولی سے معمولی خطا بل کہ خلاف اولیٰ صورت سے بھی پاک صاف ہو جاتا ہے، لہٰذا خطائے اجتہادی کے بہانے سے حدیث کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ جس خطا و نسیان کی بہ ذریعہ وحی اصلاح ہو گئی تو نبی کے سب اقوال و افعال وحی حقیقی میں شامل ہو گئے۔ جن اقوال و افعال کے بارے میں نبی پر حقیقتاً وحی نازل نہ ہوئی ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اقوال و افعال پر سکوت فرمایا ہو تو یہ بھی حکماً وحی حقیقی کے تابع ہو گئے پس منکرین حدیث کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کچھ بولنا وحی تھا اور کچھ بولنا وحی نہیں تھا۔ سورۂ سبا کی جس آیت کا منکرین حدیث حوالہ دیتے ہیں وہ مع ترجمہ یوں ہے:

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْ اِلَیَّ رَبِّیْ (۱۵/ج)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اگر میں بھٹک جاؤں تو میرا بھٹکنا مجھ پر ہی ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی وجہ سے ہے جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آں حضرت ﷺ یہ اعلان فرمائیں کہ میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کبھی گم راہ بھی ہو جایا کرتا ہوں بل کہ مطلب یہ ہے کہ فرض کرو کہ میں گم راہ ہو جاؤں تو اس مفروضہ گم راہی کا وبال مجھ پر ہی پڑے گا۔ سورۂ مومن میں ہے کہ آل فرعون میں سے ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا مگر (شدید مجبوری کی بنا پر) وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ جب فرعون اور اس کے ساتھی کفر پر ڈٹے رہے تو اس نے اپنے ایمان کا برملا اظہار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے سلسلہ کلام میں قوم سے یہ بھی کہا:

وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ (۱۶/الف)

اور اگر وہ (موسیٰ) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے وہ کچھ نہ کچھ تمہیں پہنچ کر رہے گا۔

آل فرعون کے اس مومن کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) واقعی جھوٹے ہو سکتے ہیں، بل کہ وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر بہ فرض محال حضرت موسیٰ علیہ السلام جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا وبال ان ہی پر ہوگا۔ لیکن اگر وہ سچے ہیں اور وہ یقیناً سچے ہیں تو جس عذاب سے وہ تمہیں ڈرا رہے ہیں وہ کچھ نہ کچھ تم پر واقع ہو کر ہی رہے گا۔ سورۂ یونس میں ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَاسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (۱۶/ب)

پھر اگر (اے پیغمبر!) تو اس (کتاب کے متعلق) شک میں ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ بے شک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے سچائی آ پہنچی ہے۔ سو تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ورنہ تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔

ان آیات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی اور کتاب پر کوئی شک وشبہہ ہو چلا تھا جسے ان اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے دور کرانے کی ضرورت آپ کو لاحق ہوئی ہو جو تورات وانجیل پڑھتے تھے اور جن میں آپ کے پیغمبر آخر الزماں ہونے کی خبریں دی گئی ہیں اور نہ ہی (معاذ اللہ) آپ کا کوئی ارادہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے کا ہو چلا تھا بل کہ آپ کے ذریعے سنانا دوسروں کو مقصود ہے۔ پس یہ ہرگز ضروری نہیں کہ شرطیہ کلام میں شرط وجزا کا ظہور یا وجود لازماً خارج میں بھی ہو۔ سورۂ زخرف میں ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○ (۱۶/ج)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اگر رحمٰن (اللہ) کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوں گا۔

یعنی اگر بہ فرض محال ایسا ہو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فی الحال اللہ کی اولاد موجود ہے یا آئندہ کسی زمانے میں اس کا کوئی امکان ہے۔ بعینہٖ سورۂ سبا کی آیت میں جو کہلایا گیا ہے کہ اگر میں گم راہ ہو جاؤں اور بھٹک جاؤں تو اس کا وبال مجھ پر ہی ہوگا، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر بہ فرض محال ایسا ہو۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں (معاذ اللہ) کبھی کبھی گم راہ بھی ہو جایا کرتا ہوں۔ پس سورۂ سبا کی آیت کا

صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اگر میں بھٹک جاؤں تو اس بھٹکنے کا وبال مجھ پر ہی ہے'' یہ ترجمہ صحیح نہیں کہ ''اگر میں غلطی کرتا ہوں تو یہ غلطی میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے'' ''اگر میں غلطی کرتا ہوں'' اور ''اگر میں غلطی کروں'' دونوں ترجموں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

منکرین حدیث غلط ترجمے سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) غلطیاں کرتے رہتے تھے اور معصوم عن الخطا نہیں تھے، لہٰذا آپ کے اقوال وافعال (معاذ اللہ) ہم پر حجت نہیں ہیں۔ ہم نے ان کا مکر وفریب اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے۔

۶۔ اپنے کوئی تیئیس سالہ طویل دور رسالت ونبوت میں رسول اللہ ﷺ سے محض چند ایک خلاف اولیٰ صورتوں کا صدور ہوا۔ اور یہ بھی نہایت ہی معمولی نوعیت کی ہیں۔ ان کی وحی جلی کے ذریعے اصلاح کر دی گئی۔ غزوۂ بدر میں فدیے کے عوض بعض جنگی قیدیوں کو رہا کرنے کے موقع پر اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ آپ نے اس وقت تک قتل وقتال جاری کیوں نہ رکھا کہ فتنہ وفساد کا مکمل استیصال ہو جاتا۔ یعنی یہ جنگی قیدی فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کے عمل میں پوری طرح شریک تھے اس لئے وہ کفر واسلام کی اس پہلی جنگ میں فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی بہ جائے قتل کئے جانے کے زیادہ مستحق تھے۔ (۱۶/د) غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین جھوٹے بہانے کر کے جنگ میں شامل نہ ہونے کی آپ سے رخصت طلب کرتے تھے۔ آپ انہیں اجازت دیتے رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مشفقانہ انداز میں فرمایا:

> (اے پیغمبر!) اللہ تجھے معاف کرے تو نے ان لوگوں کو اجازت کیوں دی یہاں تک کہ تجھ پر سچے لوگ بھی پوری طرح کھل جاتے اور تو جھوٹوں کو بھی پوری طرح جان لیتا۔ (۱۷/الف)

حضرت زینبؓ بن جحشؓ اور ان کے سرپرست شروع ہی سے یہ پسند نہ کرتے تھے کہ وہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کے نکاح میں آئیں لیکن آپ کی خواہش کے احترام میں وہ راضی ہو گئے۔ بعد کے سلسلۂ واقعات میں میاں بیوی میں باہم نباہ نہ ہو سکا۔ حضرت زینبؓ آپ کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ کے قلب مبارک میں یہ بات ڈالی گئی کہ اگر سمجھانے بجھانے کے باوجود حضرت زیدؓ انہیں طلاق دے دیں اور وہ میرے نکاح میں آجائیں تو اس سے ان کی دل شکنی کا ازالہ ہو جائے گا۔ نیز متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کی مطلقہ بیوی سے نکاح کو ناحق حرام سمجھنے کی معاشرتی رسم کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔ لیکن مخالفین اور منافقین کی طرف سے جس شدید طعن وتشنیع کا آپ کو بہ جا طور پر خدشہ لاحق تھا اس کی وجہ سے آپ نے اپنے اس ارادے کو ظاہر نہ فرمایا اور دل میں رکھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اے پیغمبر!) تو اپنے دل میں وہ بات چھپا رہا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا حال آں کہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ (۱۷/ ب)

یعنی حق کے معاملے میں کسی کے طعن وتشنیع کو خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔ آپ نے ایک ازدواجی معاملے میں بعض ازواج کی دل جوئی کے لئے فرمایا کہ میں آئندہ شہد استعمال نہیں کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے نبی! تو اس چیز (کے استعمال) کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتا ہے جسے اللہ نے تیرے لئے حلال کیا ہے (کیا) تو اپنی بیویوں کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ (۱۷/ ج)

یعنی بیویوں کی خاطر حلال چیز کا اپنے استعمال میں نہ لانے کا آپ کا ارادہ خلاف اولیٰ ہے، ورنہ بیوی کی دل جوئی بہ ذات خود ممنوع نہیں ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے مرنے پر اس کے مخلص مسلمان بیٹے کی دل جوئی کے لئے آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان (منافقین) میں سے اگر کوئی مرجائے تو اس کے لئے کبھی بھی دعائے رحمت نہ کر (جنازہ نہ پڑھ) اور اس کی قبر پر بھی مت کھڑا ہو۔ (۱۸/ الف)

مکی دور میں آپ چند اعیان قریش کے ساتھ محو گفت گو تھے کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں کوئی شرعی مسئلہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی آمد پر ناگ واری محسوس فرمائی کہ وہ بعد میں بھی یہ مسئلہ پوچھ سکتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس (پیغمبر) نے پیشانی پر بل چڑھایا اور منہ پھیرا اس بات سے کہ ایک نابینا اس کے پاس آیا اور (اے پیغمبر!) تجھے کیا خبر کہ شاید وہ (نابینا) سنورنے والا ہو یا نصیحت قبول کرنے والا ہو تو نصیحت اس کے لئے نفع بخش ہو ۔ تا آخر مضمون (۱۸/ ب)

یہ کل چھ خلاف اولیٰ صورتیں ہیں جن کا آپ سے اجتہادی خطا کی بنا پر صدور ہوا۔ تیئیس سال کی طویل مدت میں یہ انتہائی معمولی نوعیت کی خلاف اولیٰ صورتیں تھیں جن کی اصلاح کر دی گئی۔

۷۔ دینی امور میں سہو ونسیان کی کوئی شاذ ونادر صورت پیدا ہوئی تو آپ کو اس پر بھی کسی نہ کسی طریقے سے مطلع کر دیا گیا۔ مثلاً آپ نے ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھائی اور بھول کر چار رکعتوں کی بہ جائے دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دیا۔ ایک صحابی نے (جنہیں ہاتھوں کے زیادہ لمبے ہونے کی وجہ سے ذوالیدین کہا جاتا تھا) آپ سے سوال کیا، یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے؟ آپ نے فرمایا کہ نہ تو نماز کم ہوئی ہے اور نہ ہی میں (اپنی دانست میں) بھولا ہوں۔ جب دوسرے اصحاب نے بھی ذوالیدین

کی بات کی تصدیق کی تو آپ نے نماز کو درست کرلیا۔ مسلمانوں کے باہم جھگڑوں میں آپ قاضی اور حَکم (فیصل) تھے۔ اگر کبھی کسی شاذ و نادر صورت میں کسی منافق نے جھوٹ بول کر اور آپ کو دھوکہ دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرالیا۔ تو بہ ذریعہ وحی آپ کو اس صورت حال پر مطلع کر کے اصلاح کر دی گئی۔ مثلاً طعمہ بن ابیرق نے حضرت قتادہؓ بن نعمان کے چچا حضرت رفاعہؓ کے مکان میں نقب لگا کر کھانے کا کچھ سامان اور کچھ ہتھیار چرالئے۔ تحقیق و تفتیش سے بنو ابیرق کے اس چوری میں ملوث ہونے کا یقین ہوا تو حضرت قتادہؓ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی شکایت کی اور عرض کیا کہ کم از کم ہمارے ہتھیار ہی ہمیں واپس مل جائیں۔ آپ نے توجہ فرمانے کا وعدہ فرمالیا۔ بنو ابیرق کو پتہ چلا تو وہ باہم سازش کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ قتادہؓ اور ان کے چچا رفاعہؓ نے ہمارے بعض آدمیوں پر کسی گواہ اور شہادت کے بغیر چوری کی تہمت لگادی ہے۔ بعد میں حضرت قتادہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے کسی ثبوت کے بغیر ایسے لوگوں پر چوری کا الزام لگایا ہے جن کو مسلمان اور صالح بیان کیا جاتا ہے۔ قتادہؓ کہتے ہیں کہ مجھے بہت افسوس ہوا کہ کاش میں نے اس معاملے میں حضور ﷺ سے کچھ بات ہی نہ کی ہوتی اور میں نے اپنے چچا کو حضور ﷺ کا یہ جواب بتایا تو ان کی زبان سے نکلا واللہ المستعان ''اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے'' اس پر سورۂ نسا میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> اے پیغمبر! ہم نے تجھ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے جو ہم نے تجھے دکھایا ہے۔ اور تو خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑنے والا نہ ہو اور اللہ سے (اپنی اجتہادی خطا پر) استغفار کر، بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اور تو ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑ جو اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں، بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۸/ ج)

اور مثلاً غزوۂ مریسیع کے موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مہاجرین کے خلاف اپنے ساتھیوں سے باتیں کر رہا تھا۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سن لیں اور رسول اللہ ﷺ کو ان سے مطلع کیا اس پر عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو اپنی پاک دامنی کا یقین دلا کر حضرت زید بن ارقمؓ کو ناحق جھوٹا کر دیا۔ آپ نے ان کی قسموں کا اعتبار فرمالیا۔ اس پر سورۂ منافقون میں منافقین کے جھوٹے ہونے سے آپ کو باخبر کیا گیا۔ (۱۹/ الف) منافقین کی اس طرح کی سازشوں کا علم آپ کو بہ ذریعہ وحی ہو جایا کرتا تھا اس لئے انہیں اس بات کا خوف بھی لاحق رہتا تھا کہ بہ ذریعہ وحی آپ کو ہمارے

احوال کی خبر نہ ہو جائے سورۂ توبہ میں ہے:

منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کے متعلق کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کی باتوں کو انہیں بتا دے۔ (اے پیغمبر!) تو (ان سے) کہہ دے کہ تم مذاق اڑاتے رہو یقیناً اللہ اسے ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈر رہے ہو۔ (۱۹/ب)

مذکورہ بالا وضاحتوں سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیا علیہم السلام سے بہ تقاضائے بشریت شاذ و نادر صورتوں میں خطا اور نسیان کی بنا پر معمولی سے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ کوئی غلطی ہو جائے یا کسی خلاف اولیٰ صورت کا ان سے صدور ہو تو انہیں اس پر ہرگز قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔ حال آں کہ جو نبی نہیں ان سے تو اس طرح کی خطا اور نسیان کو اللہ تعالیٰ نے سرے سے معاف کر رکھا ہے۔ بل کہ اجتہادی مسائل میں اجتہاد کے اہل کسی مجتہد سے یا فصل خصومات (جھگڑوں کے فیصلوں) میں قاضی یا حاکم سے خطا اور نسیان کی بنا پر غلطی سرزد ہو جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے اکہرا اجر اور جس سے غلطی سرزد نہ ہو اس کے لئے دہرا اجر ہے۔ (۱۹/ج)

اسی سے حضرات انبیا علیہم السلام کے انتہائی بلند مقام و مرتبے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہیں ایسی معمولی سے معمولی اجتہادی غلطی پر لازماً مطلع کر دیا جاتا ہے اور غلطیوں یا خلاف اولیٰ صورتوں کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ حضرات انبیا علیہم السلام کو بشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق نوع انسانی سے ہی ہوتا ہے لیکن مقام و مرتبے میں وہ دوسرے لوگوں سے نہایت بلند و برتر ہوتے ہیں کہ ہماری ناقص عقلوں کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں۔ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کی بشریت کا اگر ذکر کیا گیا ہے تو فرقِ مراتب کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (۲۰/الف)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ میرا رب تو ہر عیب سے پاک ہے میں تو ایک انسان رسول ہوں۔

دیکھئے یہاں بشر کے ساتھ لفظ رسول بھی لگایا گیا ہے۔ سورۂ کہف میں ہے:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ (۲۰/ب)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ میں تمہاری طرح کا انسان ہوں (لیکن مجھ میں اور تم میں کھلا فرق یہ ہے کہ) میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔

۸۔ یہود ونصاریٰ نے بائبل میں تحریف کر رکھی ہے اور اس میں حضرات انبیا علیہم السلام پر نہایت غلیظ اور شرم ناک بہتان عائد کئے گئے ہیں۔ یہود ونصاریٰ اس کا یوں جواز پیش کرتے ہیں کہ نبی اللہ کی طرف سے وحی حاصل کرنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے میں تو غلطی سے معصوم ہوتا ہے اس کے بعد اس سے کتنے ہی بڑے بڑے گناہ مثلاً قتل وزنا، جھوٹ اور فریب وغیرہ کا ظہور ہو تو اس میں (معاذ اللہ) کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن وہ اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں۔ اسی بائبل میں انہوں نے نبیوں پر وحی کے معاملے میں بھی جھوٹ بولنے اور فریب سے کام لینے کا بہتان عائد کر رکھا ہے۔ مثلاً کتاب یرمیاہ میں ہے:

رب الافواج فرماتا ہے کہ ان نبیوں کی باتیں نہ سنو جو تم سے نبوت کرتے ہیں، وہ تم کو بطالت کی تعلیم دیتے ہیں وہ اپنے دلوں کے الہام بیان کرتے ہیں نہ کہ خداوند کے منہ کی باتیں۔ وہ مجھے حقیر جاننے والوں سے کہتے رہتے ہیں خداوند نے فرمایا ہے کہ تمہاری سلامتی ہوگی اور ہر ایک سے جو اپنے دل کی سختی پر چلتا ہے کہتے ہیں کہ تجھ پر کوئی بلا نہیں آئے گی۔ (۲۰/ ج)

اور اسی کتاب یرمیاہ کا مضمون ہے:

اس لئے کہ چھوٹوں سے بڑوں تک سب کے سب لالچی ہیں اور نبی سے کاہن تک ہر ایک دغاباز ہے۔ (۲۱/ الف)

نبی تو ایک طرف رہے، یہود ونصاریٰ کے نزدیک خدا بھی (معاذ اللہ) فریب دیتا ہے۔ چناں چہ کتاب حزقی ایل میں ہے:

اور اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا۔ (۲۱/ ب)

یہ تو بائبل کے مضامین ہیں لیکن بہ ظاہر عیسائی یہ کہتے ہیں کہ نبی صرف وحی کے معاملے میں معصوم ہوتا ہے۔ اپنے دیگر اقوال وافعال میں وہ معصوم نہیں ہوتا بل کہ عام انسانوں کی طرح ہی ہوتا ہے۔ یہود ونصاریٰ کی پوری پوری پیروی کرتے ہوئے اور ٹھیک ٹھیک ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منکرین حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صرف وحی کے معاملے میں معصوم تھے اور اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے تھے اور وحی بہ قول ان کے صرف قرآن کریم کی صورت میں ہے لہٰذا وہ اپنے باقی اقوال وافعال میں معصوم نہیں تھے اس لئے حدیث حجت نہیں ہے اور اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم نہیں دیا گیا ہے چناں چہ سورۂ سبا کی مذکورہ آیت قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ تا آخر کے حوالے سے وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غلطیاں کیا کرتے تھے۔ (۲۱/ ج) منکرین حدیث کے اس فریب کا پردہ چاک

کرنے کے لئے ہم نے انبیا علیہم السلام کے معصوم عن الخطا ہونے کے صحیح مفہوم کو قدرے تفصیل سے واضح کر دیا ہے۔ صحیحین میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ دو فریق ایک معاملے میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق فاقضی له بذالك فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیاخذها اویترکها (۲۱/د)

میں ایک بشر ہی ہوں اور میرے پاس فریق (اپنے فیصلہ طلب مقدمات اور جھگڑے لے کر) آتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک فریق دوسرے سے زیادہ اچھا بولنے والا ہو تو میں (اس کی چرب زبانی کی وجہ سے) یہ گمان کر بیٹھوں کہ وہ سچا ہے اور (غلط فہمی سے) میں اس کے حق میں فیصلہ کر کے دوسرے کسی مسلمان کا حق اسے دلا دوں تو یہ اس کے لئے آگ کا ٹکڑا ہے اب خواہ وہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔

اس طرح کی احادیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ حاکم یا قاضی ظاہری حالت پر عمل کرنے اور فیصلہ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ وہ عالم الغیب تو ہوتا نہیں اس لئے اگر کوئی اسے دھوکہ دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لے تو وہ خود ہی گناہ گار ہوگا اور قاضی یا حاکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بری الذمہ ہوگا۔ ایسی احادیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دور رسالت میں واقعی کوئی فریق جھوٹی قسموں سے یا جھوٹے گواہوں سے شاذ و نادر صورتوں میں وقتی طور پر اپنے حق میں فیصلہ کرا بھی لے تو بعد میں بہ ذریعہ وحی یا کسی بھی اور طریقے سے رسول اللہ ﷺ کو علم نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کو ابتدا ہی میں ایسے تمام معاملات میں اصل حقیقت پر مطلع فرما دیتا اور آپ شروع ہی سے جھوٹے فریق کے حق میں فیصلہ صادر فرمانے سے محفوظ رہتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چوں کہ امت کو آپ کی اقتدا کا حکم دیا ہے اس لئے ابتدا میں آپ کے فیصلوں ظاہر پر رکھا، تاکہ امت آپ کی اقتدا کر سکے اور فیصلوں کو ظاہری احوال پر رکھتے ہوئے لوگوں کے باطن کو اللہ کے سپرد کرے۔ لیکن چوں کہ آپ کا ہر قول و فعل وحی حقیقی یا حکمی کے تحت قرار دیا گیا۔ اس لئے ضروری تھا کہ شاذ و نادر وقوع پذیر اجتہادی خطاؤں کی لازماً اصلاح کر دی جائے۔ چناں چہ عام لوگ تو ایک طرف رہے منافقین تک کو یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں بہ ذریعہ وحی ان کے مذموم عزائم کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو اور پھر آپ کے ذریعے دوسروں کو نہ ہو جائے۔

۹۔ کبھی یہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سابقہ وحی کی روشنی میں یا اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ فرماتے تو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسب موقع وضرورت فیصلے میں تبدیلی کے لئے آپ کو مطلع کر دیا جاتا تھا۔ مثلاً حضرت ہلالؓ بن امیہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی مرد سے بدکاری کرتے دیکھ لے تو کیا وہ اس پر چار گواہوں کو ڈھونڈتا پھرے؟ آپ نے اسے قذف (زنا کا کسی پر الزام لگانے) پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ زنا کی حد شہادتوں کے بغیر کیسے قائم ہو سکتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں لعان کے احکام نازل فرمائے۔ (۲۲/الف) اور مثلاً ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا شہید ہونے والے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر آپ نے پوچھنے والے شخص کو دوبارہ بلا کر فرمایا کہ ابھی ابھی جبریلؑ نے آ کر مجھے بتایا ہے کہ شہید کے گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں اِلَّا الدَّیْنَ یعنی قرضہ معاف نہیں ہوتا۔ (۲۲/ب)

۱۰۔ عام روزمرہ کے دنیوی امور بھی گو اصولی طور پر شرعی احکام کے تابع ہوتے ہیں لیکن فرداً فرداً اصطلاحی وحی کے محتاج نہیں ہوتے۔ حضرات انبیا علیہم السلام بھی دنیوی امور میں ہر ہر معاملے اور ہر ہر بات پر حقیقی وحی کے محتاج نہیں ہوتے۔ دوسرے لوگوں کی طرح ان امور میں ان کی رائے صحیح بھی ہو سکتی ہے اور کبھی غلط بھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا کچھ لوگوں پر گزر ہوا جو کھجور کے درختوں میں (تجربے پر مبنی معروف ومشہور طریقے سے) قلم لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اگر یہ کام نہ کرو تو ٹھیک ہو۔ چناں چہ انہوں نے چھوڑ دیا تو کھجوریں کم ہوئیں۔ پھر ایک مرتبہ آپ وہاں سے گزرے تو لوگوں نے آپ کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ کھجوریں کم ہوئی ہیں تو آپ نے فرمایا

انتم اعلم بامور دنیاکم (۲۲/ج)

تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جانتے ہو۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

اذاکان شیء من امر دنیا کم فانتم اعلم به واذا کان شیء من امر دینکم فالیّ (۲۳/الف)

جب تمہارا کوئی دنیوی معاملہ ہو تو تم اسے زیادہ جاننے والے ہو اور جب کوئی دینی معاملہ ہو تو میری طرف رجوع کرو۔

تاہم یہاں یہ یاد رہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام کو دنیوی امور میں بھی کسی قولی وفعلی خطا پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا بل کہ کسی نہ کسی طریقے سے انہیں اس پر مطلع کر دیا جاتا ہے جیسا کہ کھجوروں کے معاملے میں بالآخر آپ کو علم ہو گیا اور آپ کو یہ بتانے کا موقع میسر آیا کہ اس طرح کے دنیوی امور میں پیغمبر کی طرف

رجوع کرنے کی تمہیں ضرورت ہی نہیں البتہ دینی امور میں رجوع کیا جائے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول وفعل حقیقی وحی پر مبنی نہ بھی ہو تو بھی وہ حکماً وحی کے تابع ہی ہوتا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں کیوں کہ آپ معصوم عن الخطا ہیں اور آپ کا ہر قول وفعل ما انزل اللہ (وحی) کے مطابق یا اس کے تابع ہی ہوتا ہے۔

ج: بہ حوالہ ''وحی غیر قرآنی کے بعض واقعاتی شواہد''

رسول اللہ ﷺ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کے نزول پر سابقہ مباحث میں دلائل پیش کئے گئے ہیں اور یہ سلسلہ آئندہ مباحث میں بھی چلتا رہے گا۔ دلائل میں واقعاتی شواہد کو سمجھنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس لئے غیر قرآنی وحی پر متعدد واقعاتی شواہد پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ **بہ حوالہ مقاطعہ بنی ہاشم:** رسول اللہ ﷺ کے مکی دور میں قریش نے بنو ہاشم کا معاشرتی مقاطعہ (بائیکاٹ) کر کے انہیں تین سال تک شعب بنی ہاشم میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس مقاطعے کے مضمون کو انہوں نے لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ مقاطعے کے آخری ایام میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ مشرکین کے لکھے ہوئے اس صحیفے کو کیڑے نے کھالیا ہے، اس میں صرف اللہ کا نام باقی بچا ہے۔ آپ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کو خبر دی۔ انہوں نے قریش کو بتایا۔ جب مطعم بن عدی اس صحیفے کو چاک رکنے کے لئے اٹھا تو اس نے دیکھا کہ واقعی کیڑوں نے اس کا صفایا کر دیا ہے۔ صرف باسمك اللّٰھم باقی رہ گیا ہے اور بھی جہاں جہاں اللہ کا نام لکھا تھا وہ بچ گیا تھا، کیڑوں نے اسے نہیں کھایا تھا۔ آپ کو یہ خبر غیر قرآنی وحی سے معلوم ہوئی۔ (۲۳/ب)

۲۔ **بہ حوالہ ہجرت مدینہ:** ظہور رسالت کے بعد مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کا قیام کوئی تیرہ سال تک رہا۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ قرآن کریم میں آپ کے لئے مکے سے مدینے ہجرت کرنے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے لہٰذا آپ نے یہ ہجرت یقیناً غیر قرآنی وحی سے فرمائی۔ اگر آپ نے خود اپنی مرضی اور صواب دید سے ہجرت فرمائی ہوتی تو دیگر انبیا علیہم السلام بھی ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ پر اسی لئے عتاب فرمایا کہ وہ وحی کا انتظار کئے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ سورۃ الصافات میں ہے:

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ (۲۳/ج)

اور بے شک یونس پیغمبروں میں سے ہے۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگا۔

اَبَقَ کا معنی یہ ہے کہ کوئی غلام اپنی ذمے داریوں کو چھوڑ کر کہیں نکل جائے۔ غلام احمد پرویز نے اپنی کتاب ''لغات القرآن'' میں لفظ اَبَق کے تحت لکھا ہے:

> رسول کو خاص مشن دے کر اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اسے اس مشن کی تکمیل میں ہزار مشقتیں اٹھانا پڑتیں۔ وہ کسی حالت میں بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا تھا۔ لیکن جب مشیت خود دیکھتی کہ اس کا اس جگہ زیادہ عرصے کے لئے رہنا اس مشن کے لئے مفید نہیں تو اسے اس مقام کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم مل جاتا۔ اسے ہجرت کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یونسؑ ایسے حکم کے بغیر ہی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے..... اس سے اندازہ لگائیے کہ ایک رسول کی زندگی کس قدر احکام خداوندی کے تابع ہوتی تھی اور جن معاملات میں فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہوتا تھا ان میں رسول اپنی طرف سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا.....۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کو اپنی قوم کی ایذا رسانی پر صبر کرنے کا حکم ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے کا مجاز نہیں۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی یہی حکم تھا کہ کسی جلد بازی کی بہ جائے صبر سے کام لیں۔ سورۂ قلم میں ہے:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (۲۴/الف)

تو (اے پیغمبر!) تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے اور مچھلی (کا لقمہ بننے) والے (یونسؑ) کی طرح نہ ہو۔

آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قریش مکہ کی ایذا رسانی پر برابر صبر سے کام لیتے رہے اور اللہ کے حکم کے بغیر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت نہ فرمائی۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا، مجھے تمہارا مقام ہجرت دکھلایا گیا ہے۔ یہ لاوے کی دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک نخلستانی علاقہ ہے، اس کے بعد لوگوں نے مدینے کی جانب ہجرت شروع کر دی۔ حبشہ کی طرف جنہوں نے ہجرت کی تھی ان میں سے عام مہاجرین مدینے میں آ گئے۔ ابوبکر صدیقؓ بھی ہجرت کرنا چاہتے تھے لیکن آپ نے انہیں روک لیا اور فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دی جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا آپ کو اس کی امید ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں، اس پر وہ مکہ میں ہی رہے تاکہ آپ کے ہم راہ ہجرت کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ انہیں چار ماہ تک ببول کے پتوں کا خوب چارہ کھلایا۔ (۲۴/ب)

ہجرت کے سفر کے دوران سراقہ بن مالک نے قریش مکہ سے انعام حاصل کرنے کے لالچ میں

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تعاقب کیا۔ آپ کی بددعا سے اس کا گھوڑا پتھریلی زمین میں دھنسنا شروع ہوگیا۔ اس نے معافی مانگی تو آپ نے درگزر سے کام لیا اور ساتھ ہی غیر قرآنی وحی کی بنا پر اسے یہ بشارت بھی سنادی کہ تو ایک دن کسریٰ شاہِ فارس کے سونے کے کنگن اپنے ہاتھ میں پہنے گا۔ آپ کی یہ پیش گوئی حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں پوری ہوئی۔ کسریٰ کا تاج، کنگن، زیورات اور دیگر سامان مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو وہ کنگن پہنائے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے یہ سامان مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔ (۲۴/ ج)

۳۔ بہ حوالہ تحویلِ قبلہ: ہجرت مدینہ کے بعد کوئی سترہ مہینے تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اگر آپ کو اپنی مرضی اور اپنی صواب دید کی بنا پر یا اپنے اصحاب کے مشورے سے کسی قبلے کو متعین کر لینے کا اختیار ہوتا تو آپ بیت المقدس کو کبھی قبلہ نہ ٹھہراتے، کیوں کہ آپ کا نسبی تعلق بنی اسرائیل سے نہیں بل کہ بنی اسماعیل سے ہے۔ انبیائے بنی اسرائیل کا قبلہ تو بیت المقدس رہا ہے لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا قبلہ خانہ کعبہ تھا بل کہ خانہ کعبہ کی عمارت کی تعمیر ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان ہی دو پیغمبروں کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ اگر رسول اللہ ﷺ از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے قبلہ کو متعین کرنے کے مجاز ہوتے تو اپنے مدنی دور میں ابتدا ہی سے کعبے کو قبلہ ٹھہراتے جو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نہایت مرغوب ومحبوب بھی تھا۔ لیکن آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے پامال کرتے ہوئے بیت المقدس کو قبلے کے طور پر قبول کیے رکھا۔ آپ کو شدید انتظار تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کی وحی کب نازل ہوتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۲۵/الف)

بے شک (اے پیغمبر!) ہم آسمان کی طرف تیرے بار بار منہ پھیرنے کو دیکھتے ہیں تو ہم ضرور بالضرور تیرا منہ اس قبلے کی طرف کردیں گے جسے تو پسند کرتا ہے، سو تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر ہی دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ اول بیت المقدس کو قبلہ ٹھہرانا غیر قرآنی وحی کی بنا پر تھا۔ قرآن کریم میں تو یہ حکم موجود نہیں ہے۔ اگر آپ اپنی مرضی سے یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے قبلہ مقرر کرنے کے مجاز ہوتے تو خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے میں ہرگز وحی کے شدید انتظار کی زحمت نہ اٹھاتے۔

۴۔ بہ حوالہ غزوۂ بدر: غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کا نزول ہوا۔ سورۂ آل عمران میں ہے:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ (۲۵/ب)

جب (اے پیغمبر!) تو ایمان والوں سے کہہ رہا تھا کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہوگا کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کئے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا غزوۂ بدر میں شریک اپنے اصحاب کو تین ہزار ملائکہ کی مدد کی یہ بشارت دینا وحی غیر قرآنی کی بنا پر تھا۔ اس سے پہلے قرآن کریم میں یہ مضمون کہیں نہ تھا کہ اللہ تین ہزار فرشتوں کو تمہاری مدد کے لئے اتارے گا۔ سورۂ انفال میں ہے:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ (۲۵/ب)

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے والا ہوں جو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔

غزوۂ بدر سے پہلے مسلمانوں کو ان کی دعا کی قبولیت اور ایک ہزار ملائکہ سے ان کی مدد کی بشارت کی اطلاع قرآنی وحی کی بنا پر تھی۔ اس کے بعد انہیں تین ہزار ملائکہ کی آمد کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر قرآنی وحی سے دی۔ کیوں کہ آپ نے ایک ہزار کی نہیں بل کہ تین ہزار فرشتوں کے نزول کی بشارت دی جس کا ذکر سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیت سے پہلے قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے۔

غزوۂ بدر میں مسلمان جب مدینے سے نکلے تو ان کا مقصد صرف ابوسفیان کے اس تجارتی قافلے پر حملے کا تھا جو شام سے بھاری سامان تجارت لے کر واپس آ رہا تھا۔ ابوسفیان کو خطرے کا احساس ہوا تو اس نے مکہ میں اپنا قاصد بھیج کر سردارانِ قریش کو مطلع کیا۔ اس پر سردار مکہ ابوجہل ایک ہزار کا بھرپور مسلح لشکر لے کر مدینے پر حملہ آور ہونے کے لئے نکلا۔ بالآخر قریش مکہ اور مسلمانوں کا مقابلہ بدر کے مقام پر ہوا۔ اس سلسلے میں سورۂ انفال میں ہے:

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ○ (۲۵/ج)

اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جو کانٹے

والا نہیں وہ تمہیں ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے سچا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

آیت سے ظاہر ہے کہ دو گروہوں سے ابوسفیان کا تجارتی قافلہ اور ابوجہل کا لشکر مراد ہے۔ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ بڑے لشکر کی بہ جائے ان کی مڈبھیڑ ابوسفیان کے تجارتی قافلے سے ہو۔ جس میں کانٹا نہ چبھے اور کوئی کوئی بڑا نقصان اٹھائے بغیر بہ آسانی اس پر قابو پایا جا سکے۔ لیکن اللہ کو منظور یہی تھا کہ بڑے لشکر سے مسلمانوں کا مقابلہ ہو۔ دو گروہوں میں سے ایک پر غلبے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے یقیناً وحی غیر قرآنی سے دی تھی، کیوں کہ اس آیت کا نزول غزوے سے بعد کا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسلام کے غلبے اور کفر کی بالآخر ہزیمت کی خبریں بارہا دی ہیں لیکن یہاں بات صرف غلبے کی نہیں ہو رہی بل کہ دو گروہوں میں سے ایک پر غالب آنے کی خبر دی گئی ہے۔ نیز اسلام کے بالآخر غالب آنے کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کو کسی جنگ میں کبھی بھی کچھ نقصان نہیں ہوا کرے گا۔ اور ہمیشہ کھلا غلبہ ہوا کرے گا۔ ورنہ غزوۂ احد میں مسلمان نقصان نہ اٹھاتے اور جنگ کسی ہار جیت کے بغیر ختم نہ ہوتی لہٰذا یہاں کوئی بھی فاسد تاویل کارگر نہیں ہو سکتی۔ لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ دو گروہوں میں سے ایک پر غالب آنے کی خبر وحی غیر قرآنی کی بنا پر تھی۔ ابوسفیان کے قافلے سے مڈبھیڑ اور اس پر غلبہ بہ ظاہر یقینی نظر آ رہا تھا اور اسی کے تعاقب کے پیش نظر مسلمان قلیل تعداد اور تھوڑے سے سامان جنگ کے ساتھ مدینے سے نکلے تھے۔ ابوجہل کے لشکر پر غلبہ بہ ظاہر ناممکن تھا اور مسلمانوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ابوجہل کے بڑے اور بھرپور مسلح لشکر سے جنگ کی نوبت آئے گی لیکن اسی لشکر سے مقابلہ ہوا اور اسی پر حسب بشارت غلبہ حاصل ہوا۔

اس غزوے میں جس رات کی صبح کو جنگ ہونے والی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اہل مکہ کی قتل گاہوں کی نشان دہی فرما دی تھی۔ آپ اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے:

هٰذا مصرع فلان غداً ان شاء الله

کل صبح کو ان شاء اللہ یہ فلاں کی قتل گاہ ہے۔

آپ ہر ایک کے مقام قتل پر ہاتھ رکھ کر قتل ہونے والے مشرکین کے نام صحابہ کرامؓ کو بتلاتے رہے۔ اگلے دن معلوم ہوا کہ کسی ایک مقتول نے بھی اپنی قتل گاہ سے سرِ مو تجاوز نہیں کیا تھا۔ (۲۶/الف) یہ سب کچھ آپ نے وحی غیر قرآنی سے بتایا۔ غزوۂ بدر کے بعد مکہ میں عمیر بن وہب جمحی اور صفوان بن امیہ

نے حطیم میں بیٹھ کر مقتولین بدر کا تذکرہ کیا۔ عمیر نے کہا کہ اگر میرے ذمے قرض اور بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں ابھی جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر آتا۔ صفوان نے عمیر کے قرض اور اس کے اہل وعیال کی خبر گیری کا ذمہ لیا اور زہر آلود تلوار دے کر عمیر کو مدینہ روانہ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب اسے آتے دیکھا تو فوراً سمجھ گئے کہ یہ کسی مذموم ارادے سے آیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی تلوار کا پرتلہ پکڑ لیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اور عمیر سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ اس نے کہا میں اپنے قیدی کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے اور صفوان نے حطیم میں بیٹھ کر میرے قتل کا یوں یوں منصوبہ نہیں بنایا تھا؟ عمیر نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات میرے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی اور کسی تیسرے شخص کو ہرگز اس کا علم نہیں تھا۔ عمیر بن وہب نے اسلام قبول کر لیا۔ (۲۶/ ب) رسول اللہ ﷺ کو عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کی اس سازش اور منصوبے کا علم وحی غیر قرآنی سے ہوا۔

۵۔ **بہ حوالہ صیام رمضان:** رمضان المبارک میں رات کو بیویوں کے پاس جانے کے سلسلے میں سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ (۲۶/ ج)

تمہارے لئے روزوں کی رات اپنی عورتوں سے صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے تو اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تمہیں معاف فرما دیا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی، لیکن اس ممانعت کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ ممانعت غیر قرآنی وحی کے ذریعے تھی۔ اگر آپ نے یہ ممانعت از خود یا صحابہؓ کے مشورے سے فرمائی ہوتی تو حالات کا علم ہونے پر آپ خود ہی اسے واپس لے لیتے وحی کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ یہ ممانعت بعد میں وحی قرآنی کے ذریعہ جاتی رہی اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کر سکے تھے ان کا قصور اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

۶۔ **بہ حوالہ غزوۂ احد:** اس غزوے میں قزمان نامی ایک شخص نے مشرکین کا خوب مقابلہ کیا اور نہایت بہادری کا مظاہرہ کیا۔ سہل بن ساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم

میں سے آج کسی نے بھی اتنا کام نہیں دکھایا جتنا فلاں نے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ شدید زخمی ہوگیا تھا۔ بعد میں اس نے زخموں کی تاب نہ لاکر خودکشی کر لی۔ (۲۷/الف) اس شخص کا جہنمی ہونا آپ کو وحی غیر قرآنی سے معلوم ہوا۔

۷۔ بہ حوالہ غزوۂ بنی نضیر: غزوہ بنی نضیر میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یہودیوں کے کھجوروں کے باغات کے درخت صحابہ کرامؓ نے کاٹے، تاکہ قلعہ بند محصور دشمن اپنی ہزیمت کو جلد قبول کرلے اور ہتھیار ڈال دے۔ بعض حضرات نے یہ درخت اس لئے نہ کاٹے کہ یہ بعد میں مسلمانوں کے ہی کام آئیں گے۔ درختوں کے کاٹے جانے پر مخالفین نے شور مچایا کہ مسلمان زمین میں اصلاح کے قائل نہیں بلکہ فساد فی الارض (زمین میں فساد) پر عمل پیرا ہیں۔ اس پر اللہ تعالی نے سورۂ حشر میں فرمایا

ماقطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا فباذن اللہ (۲۷/ب)

تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے اپنی جڑوں پر قائم رہنے دیا تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا۔

اس آیت کے نزول سے پہلے قرآن کریم میں کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا کوئی حکم یا اجازت نہیں دی گئی تھی پس یہ حکم وحی غیر قرآنی کی بنا پر تھا۔ اس زمانے کی جنگی اخلاقیات کے تحت دشمن کی کھیتی کو برباد کرنے کا کوئی جواز ہوتا تو مخالفین شور ہی کیوں مچاتے اور قرآن کریم میں درختوں کے کاٹنے یا نہ کاٹنے کے ذکر کی ضرورت ہی کیوں ہوتی؟ اس لئے یہ سمجھ لینا قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالی کے حکم اور اجازت کے بغیر ہی مسلمانوں نے یہ درخت کاٹے تھے۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کا جو شدید نقصان ہوا اس کے متعلق سورۂ آل عمران میں ہے۔

وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ (۲۷/ج)

جو تکلیف تمہیں اس دن پہنچی جس دن دو جماعتوں کی ٹکر ہوئی تو یہ سب اللہ کی مشیت سے تھی۔

یہاں ''اذن'' کا معنی ''اجازت'' کا نہیں بلکہ ''مشیت'' کا ہے۔ اللہ تعالی نے ہرگز قریش مکہ کو یہ اجازت نہیں دی یا یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں قتل کریں اور پھر ان کی لاشوں کا مثلہ کریں۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اردو زبان میں بھی بعض اوقات ''حکم'' سے مراد مشیت اور تقدیر ہوتی ہے۔ اگر آل عمران کی اس آیت میں ''باذن اللہ'' کا ترجمہ ''اللہ کے حکم'' سے بھی کیا جائے تو بھی یہاں حکم سے مراد ''مشیت الہیہ'' ہی ہے۔ اختیاری امور ہوں یا غیر اختیاری سب کے سب اللہ تعالی کی مشیت اور

تقدیر کے ہی تابع ہیں لیکن تقدیر اور مشیت کا حوالہ لسانی محاورات میں غیر اختیاری امور میں رضا بالقضا کی تعلیم کے لئے دیا جاتا ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کو مثلاً ناحق قتل کر ڈالا ہو اور قاتل اپنی بے گناہی یوں ثابت کرنا چاہے کہ یہ سب کچھ تقدیر اور مشیت الٰہیہ سے ہوا ہے، تو مقتول کے ورثا ہرگز اس پر مطمئن ہو کر اسے بے قصور ٹھہرانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ دور نبوی کے زمانے کی لڑائیوں میں اگر دشمن کو درختوں کے کاٹنے پر اعتراض نہ ہوا کرتا تو درختوں کا کاٹنا یا نہ کاٹنا دونوں کام درست سمجھے جاتے اور اس آیت کے نزول کی قطعاً ضرورت ہی نہ ہوتی کہ یہ سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہوا کیوں کہ اس بات کا انکار قبیلہ بنونضیر کے یہودیوں کو بھی نہیں تھا کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر سے ہی ہوتا ہے۔ چوں کہ مخالفین کو شکایت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں نے کھجور کے درخت کاٹ کر ظلم کیا ہے اس لئے سورۂ حشر کی متعلقہ آیت میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے مسلمانوں نے کیا ہے۔ یہاں باذن اللہ کا معنی ہے اللہ کا فرمان، اللہ کی اجازت۔ پس منکرین حدیث کے لئے آل عمران کی مذکورہ آیت کے حوالے سے کسی فاسد تاویل کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

۸۔ بہ حوالہ غزوۂ خندق: اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرامؓ نے دشمن کے حملے سے بچاؤ کے لئے خندق کھودی اور اس کام میں آپ بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آئی جس کی اطلاع آپ کو دی گئی۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئیں، خدا کی قسم! میں شام کے سرخ محلات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے دوسری مرتبہ کدال سے ضرب لگائی تو دوسرا تہائی ٹوٹ کر گر گیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں عطا ہوئیں۔ خدا کی قسم! میں مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے تیسری مرتبہ ضرب لگائی تو ساری چٹان ٹوٹ گئی اور آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں عطا ہوئیں۔ خدا کی قسم، میں یہاں صنعا کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پہلی مرتبہ کدال مارنے سے ایک بجلی چمکی جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور صحابہ کرامؓ نے بھی تکبیر کہی اور آپ نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔ (۲۸/الف) مستقبل کی یہ خبریں اور بشارتیں آپ نے وحی قرآنی سے نہیں بل کہ وحی غیر قرآنی سے دیں۔

۹۔ بہ حوالہ غزوۂ بنی قریظہ: غزوۂ خندق سے رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے۔ آپ نے اور صحابہ کرامؓ نے ہتھیار کھول دیئے۔ ظہر کا وقت ہونے لگا تو حضرت جبرئیلؑ آپ کے

پاس آئے اور پوچھا کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے۔ آپ نے فرمایا! ہاں، تو جبرئیلؑ نے کہا کہ فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ پر حملے کا حکم دیا ہے۔ (۲۸/ب) بنو قریظہ پر چڑھائی کا یہ حکم گو وحی ملکی (فرشتے کے ذریعے وحی) سے آپ کو ہوا لیکن یہ وحی قرآنی نہیں بل کہ غیر قرآنی ہے۔

۱۰۔ بہ حوالہ صلح نامہ حدیبیہ: اس صلح نامے کی شرائط بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اس لئے صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ایک بھی شخص ان شرائط پر راضی اور مطمئن نہیں تھا۔ صلح نامہ لکھوانے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو احرام کھولنے اور اپنے اپنے قربانی کے جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تو پہلے پہل کوئی بھی شخص اس حکم کی تعمیل کے لئے نہ اٹھا۔ جب ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے صائب مشورے پر آپ اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لئے خود اٹھے تو صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کی اتباع میں اپنے جانور ذبح کئے اور احرام کھولنے کے لئے ایک دوسرے کے بال کاٹے اور مونڈے۔ لیکن شدت غم سے ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹ بیٹھیں گے۔ بعد میں سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں اس صلح کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا۔ اگر آپ ﷺ نے یہ شرائط وحی پا کر طے فرمائی تھیں تو اس سے غیر قرآنی وحی کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے اجتہاد سے طے فرمائی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے وحی قرآنی سے اس اجتہاد کی تصویب و توثیق فرما کر یہ واضح کر دیا کہ نبی کا اجتہاد بھی وحی کے حکم میں داخل ہے۔ اگر شاذ و نادر صورتوں میں نبی سے اجتہادی خطا کا صدور ہو تو لازماً اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ یہ بھی واضح فرما دیا کہ نبی کے اجتہاد کے مقابلے میں بعد کے لوگ تو ایک طرف رہے، صحابہ کرامؓ کی متفقہ رائے بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک غلط ہو سکتی ہے لہٰذا آپ کا صحابہ کرامؓ سے مشورہ انتظامی و تدبیری امور میں ان کی تعلیم و تربیت کے لئے تھا نہ کہ آپ ہر حال میں ان کے مشوروں کو قبول کرنے کے بھی پابند تھے۔ پس نبی کا اجتہاد بھی حکماً غیر قرآنی وحی میں داخل ہے۔ اس صلح نامہ کا پس منظر یہ ہے کہ آپ نے ۶ ہجری میں خواب دیکھا تھا کہ میں اور میرے کچھ اصحاب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور عمرہ کر کے بعض اصحاب نے سر منڈایا اور بعض نے کتروایا۔ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ خواب غیر قرآنی وحی تھا۔ سورۂ فتح میں ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (۲۸/ج)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا، تم ان شاء اللہ ضرور بالضرور مسجد حرام میں امن کی حالت میں داخل ہو گئے۔

سال ۶ ہجری میں عمرہ نہ ہوسکا۔ صلح نامہ حدیبیہ میں طے پایا کہ مسلمان اس سال نہیں بل کہ اگلے سال عمرہ کرسکیں گے۔ مسلمان اس سال عمرہ نہ کرپانے پر سخت رنجیدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان دلایا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے خواب سچا دکھایا ہے۔ یہاں منکرین حدیث کی یہ تاویل قطعاً غلط ہے کہ آیت میں لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کردکھایا'' یہ ترجمہ تب درست ہوتا کہ سال ۶ ہجری میں عمرہ ہو چکا ہوتا یعنی خواب کی عملی تعبیر خارج میں ظہور پذیر ہو چکی ہوتی۔ ابھی عمرہ ہوا ہی نہیں اور فرمایا یہ جارہا ہے لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ کہ تم ضرور بالضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے، تو یہاں یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ خواب سچا کر دکھایا ہے۔ یہ تو تب درست ہوتا اگر یوں فرمایا جاتا کہ اللہ خواب کو سچا کر دکھائے گا۔ غزوۂ احد کے سلسلے میں سورۂ آل عمران میں ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ (۲۹/الف)

اور بے شک اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم انہیں (یعنی اپنے دشمن) کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔

اس آیت کا نزول غزوۂ احد کے بعد ہوا اور سورۂ فتح کی زیر نظر آیت کا نزول عمرے سے پہلے ہوا، اس لئے سورۂ آل عمران کی متعلقہ آیت میں یہ ترجمہ درست ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا کیوں کہ یہاں مستقبل کے کسی وعدے یا بشارت کی بات نہیں ہو رہی بل کہ ایفائے عہد کی خبر ہے۔ ادھر سورۂ فتح میں مستقبل کے وعدے کا ذکر ہے کہ اس سلسلے میں اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے نہ کہ سچا کر دکھایا ہے۔ سچا کر دکھانے کی بات تو تب برمحل ہوتی جب عمرے کی ادائیگی کے بعد اس طرح کی کوئی آیت نازل ہوتی۔ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ سورۂ الصافات میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو خواب میں اپنے ہاتھوں ذبح ہوتے دیکھا تو بیٹے سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! بے شک میں اپنے آپ کو خواب میں تجھے ذبح کرتے دیکھتا ہوں۔ اس پر بیٹے نے جواب دیا کہ اے میرے باپ:

اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (۲۹/ب)

تو وہی کر جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے تو مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔

سیاق کلام سے خوب واضح ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں نے اسے اللہ کا حکم سمجھا۔ یہ وحیِ غیر کتاب ہے۔

۱۱۔ بہ حوالہ رسول اللہ ﷺ کا خسرو پرویز کے نام مکتوب: صلح نامہ حدیبیہ کے بعد آپ نے اردگرد کے حکم رانوں کو دعوتی خطوط ارسال فرمائے۔ خسرو پرویز شاہ فارس کے نام بھی خط حضرت عبداللہؓ بن حذافہ کے ہاتھ بھیجا گیا۔ اس نے از راہ تکبر آپ کا نامہ مبارک چاک کر دیا اور یمن کے اپنے گورنر باذان کو لکھا کہ اس شخص (محمد ﷺ) کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجا جائے۔ باذان نے اس مقصد کے لئے دو سپاہیوں کو روانہ کیا۔ یہ مدینے پہنچے تو دریں اثنا خسرو پرویز کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا تھا۔ آپ کو اس کی خبر بہ ذریعہ وحی ہوئی اور باذان کے بھیجے ہوئے فارسی نمائندوں کو اس کی اطلاع دی۔ وہ سخت حیران و پریشان ہو کر واپس یمن لوٹے تو خبر صحیح نکلی۔ باذان اور اس کے ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (۲۹/ج) یہ غیر قرآنی وحی تھی۔

۱۲۔ بہ حوالہ غزوۂ خیبر: غزوۂ خیبر صلح نامہ حدیبیہ کے بعد ہوا۔ اس صلح نامے کی شرائط کے متعلق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں یہ بات پختہ کر دی تھی کہ یہ شرائط مسلمانوں کے بہترین مفاد میں ہیں، حال آں کہ حدیبیہ کے سفر میں شریک آپ کے اصحاب میں سے کوئی ایک بھی صحابی ان بہ ظاہر رسوا کن شرائط پر راضی اور مطمئن نہیں تھا۔ وہ اپنی تشویش کا برابر اظہار کرتے رہے تھے لیکن آپ نے ان شرائط کو قبول کرنے اور ان پر قائم رہنے کا عزم بالجزم کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے قلب مبارک میں جس بات کو پختہ کر دے تو یہ غیر قرآنی وحی ہے۔ اسی کو وحی خفی کہا جاتا ہے۔ بعد میں ان شرائط کے متعلق اس وحی خفی کی توثیق اور تصویب اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں وحی جلی سے بھی فرما دی۔ آپ کے قلب مبارک میں یہ بات بھی پختہ کر دی گئی تھی کہ جن بدوؤں نے اپنے مسلمان ہونے کے دعوے کے باوجود حدیبیہ کے سفر میں آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہونے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ سورۂ فتح میں ہے:

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَانْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ (۳۰/الف)

جب تم (غزوۂ خیبر میں) غنیمتیں لینے کے لئے جانے لگو گے تو یہ پیچھے چھوڑے جانے والے (بدو) جھٹ سے کہنے لگیں گے کہ ہم بھی تمہارے ساتھ ہی جائیں گے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل ڈالیں۔ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے، یہ بات اللہ پہلے ہی فرما چکا ہے۔

دیکھئے یہاں اللہ کے قول اور کلام کی بات ہو رہی ہے کہ اللہ نے یہ بات پہلے ہی کہہ دی ہے حال

آں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے قرآن میں اس طرح کا اللہ کا کوئی کلام اور قول موجود نہیں۔ پس یہ بات رسول اللہ ﷺ کے علم میں وحی غیر قرآنی سے لائی گئی تھی۔ خیبر میں یہودیوں کے متعدد قلعے تھے جن میں قلعہ قموص نہایت مستحکم تھا جس کو فتح کرنے میں دو دن سے مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اسے محبوب رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ آپ نے یہ جھنڈا حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا۔ کئی روز کے محاصرے کے بعد یہ قلعہ بالآخر ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ (۳۰/ب) حضرت علیؓ کے ہاتھوں اس قلعے کے مفتوح ہونے کی خبر آپ کو وحی غیر قرآنی سے ہوئی۔ اس غزوے میں آپ کا ایک غلام مارا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے لئے جنت مبارک ہو۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی جو ایک چادر چرائی تھی وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ (۳۰/ج) آپ کو اس کا علم وحی غیر قرآنی سے ہوا۔

۱۳۔ بہ حوالہ سریہ موتہ: اس سریے میں اسلامی فوج کے متعدد امرا نے یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مقام موتہ کے درمیان تمام حجابات اٹھا دیئے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ زید نے اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لیا اور کافروں سے خوب قتال کیا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہو گئے۔ زید کے بعد جعفر نے یہ جھنڈا ہاتھ میں لیا اور اللہ کے دشمنوں سے خوب قتال کیا یہاں تک کہ وہ شہید ہو کر جنت میں داخل ہو گئے اور وہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں دو بازوؤں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں (جنگ میں حضرت جعفرؓ کے دونوں بازو کٹ گئے تھے)۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا سنبھالا۔ یہ فرما کر آپ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ نے بھی کفار سے خوب قتال کیا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ آپ یہ باتیں بتاتے جا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ پھر فرمایا کہ اب ان کے بعد جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی خالدؓ بن ولید نے سنبھالا یہاں تک کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ (۳۱/الف) آپ نے یہ تمام خبریں غیر قرآنی وحی سے دیں۔

۱۴۔ بہ حوالہ فتح مکہ: مکہ مکرمہ کی جانب لشکر کشی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے سخت تاکید فرما دی تھی کہ قریش مکہ کو ہماری روانگی کی قطعاً خبر نہ ہونے پائے۔ ایک بدری صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے کچھ اقارب مکہ مکرمہ میں مقیم تھے جن کی محبت ان پر غالب آ گئی۔ انہوں نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھ کر خفیہ طور پر ایک عورت کے ہاتھ روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بہ ذریعہ وحی اس پر مطلع

فرمایا۔ آپ نے اس عورت کے تعاقب میں حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو روانہ فرمایا کہ روضہ خاخ کے مقام پر تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین مکہ کے نام ایک خط ہے۔ چناں چہ وہ خط اس عورت سے لے لیا گیا۔ حضرت حاطبؓ کی معذرت کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا۔ اس سلسلے میں سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات کا تعلق اسی واقعے سے ہے۔ اس واقعے کی پوری پوری اطلاع اور عورت کے روضہ خاخ پر پکڑے جانے کی پیشگی خبر آپ کو غیر قرآنی وحی سے ہوئی۔ (۳۱/ب)

فتح مکہ کے بعد آپ نے بیت اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے لی۔ بعد میں ان ہی کو یہ چابی واپس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ چابی تم ہمیشہ کے لئے لے لو (یعنی یہ ہمیشہ تمہارے خاندان میں ہی رہے گی) میں نے یہ چابی تمہیں خود نہیں دی بل کہ اللہ نے تم کو دلائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے یہ چھین نہیں سکے گا۔ (۳۱/ج) فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے مصروف گفت گو تھے۔ عتاب نے کہا کہ میرے باپ اسید کو موت دے کر اللہ نے اس پر بڑا کرم کیا کہ اسے یہ اذان نہیں سننی پڑی اور یہ ناخوش گوار دن نہیں دیکھنا پڑا۔ حارث نے کہا، واللہ! اگر وہ حق پر ہیں تو میں ان کا پیروکار ہو جاؤں گا۔ ابوسفیان نے کہا، واللہ! میں کچھ نہیں کہوں گا، اگر میں کچھ بولوں تو یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ اس پر حارث اور عتاب بول اٹھے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ واللہ! ہماری گفت گو میں کوئی اور شخص ہمارے ساتھ نہیں تھا۔ یہ خبر اللہ نے آپ کو دی ہے۔ (۳۲/الف) یہ تمام خبریں آپ کو غیر قرآنی وحی سے معلوم ہوئیں۔

۱۵۔ **بہ حوالہ غزوۂ حنین و اوطاس:** ان غزوات کے ایام میں ایک قاصد نے آکر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، میں نے فلاں اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آگئے ہیں۔ ان کی عورتیں، چوپائے اور بکریاں سب ساتھ ہیں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب ان شاء اللہ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ (۳۲/ب) آپ نے یہ خبر غیر قرآنی وحی سے دی۔

۱۶۔ **بہ حوالہ غزوۂ تبوک:** اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک اونٹنی گم ہوگئی۔ ایک منافق نے کہا کہ آپ آسمان کی خبریں تو بیان کرتے ہیں لیکن اپنی اونٹنی کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا، خدا کی قسم! مجھے اللہ کے بتائے بغیر کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔ اب اللہ نے مجھے بتایا ہے۔

کہ وہ اونٹنی فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس کی وجہ سے وہ رکی ہوئی ہے۔ چند صحابہ کرامؓ وہاں گئے اور اس اونٹنی کو لے آئے۔ (۳۲/ ج)

تبوک کے ایک چشمے کے متعلق آپ نے اپنے صحابی حضرت معاذؓ بن جبل سے فرمایا، اے معاذ! اگر میرے بعد تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تو دیکھے گا کہ اس چشمے کا پانی کئی باغوں کو سیراب کرے گا۔ یعنی یہ خطہ سرسبز و شاداب ہو جائے گا۔ (۳۳/ الف) اس غزوے کے ایام میں آپ نے ایک روز فرمایا، آج رات تم پر سخت آندھی چلے گی۔ تم میں سے کوئی نہ اٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اسے مضبوطی سے باندھ رکھے۔ آندھی میں ایک شخص کھڑا ہو گیا تو اسے آندھی نے اڑا کر دو پہاڑیوں کے درمیان پھینک دیا۔ (۳۳/ ب)

تبوک کے میدان میں آپ نے کوئی بیس دن قیام فرمایا۔ کوئی مقابلے کے لئے نہ آیا۔ دشمن مغلوب ہو گئے۔ اسی مقام سے آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو دومۃ الجندل کے والی اکیدر بن عبدالملک کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تمہیں شکار کھیلتا ہوا ملے گا۔ حضرت خالدؓ گرم موسم کی چاندنی رات میں اکیدر کے قلعے تک پہنچے۔ سخت گرمی کی وجہ سے اکیدر قلعے کی چھت پر تھا۔ اسے ایک نیل گائے نظر آئی جسے شکار کرنے کے لئے نیچے اترا اور اپنے چند عزیزوں کے ہم راہ شکار کا تعاقب کیا لیکن جلد ہی وہ خود حضرت خالدؓ بن ولید کا شکار ہو گیا۔ اسے گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ اس نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر آپ سے صلح کر لی۔ (۳۳/ ج)

غزوہ تبوک کے لئے تیاری کے ایام میں آپ کے ایک صحابی حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ نے آپ سے راہِ خدا میں شہید ہونے کی دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ۔ جب وہ چھلکا لے کر حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھتے ہوئے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں اس کا خون کفار پر حرام کرتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں تو شہادت کا طالب ہوں تو آپ نے فرمایا کہ جب تم جہاد کی نیت سے نکلے ہو تو اگر بخار سے فوت ہو جاؤ تب بھی تم شہید ہی ہو گے۔ تبوک پہنچ کر یہی ہوا۔ وہ بخار میں مبتلا ہو کر اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ آپ خود ان کی قبر میں اترے۔ آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! میں آج کی رات تک اس سے خوش رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ کاش! میں اس قبر میں دبایا جاتا۔ (۳۴/ الف)

تبوک سے واپسی کے سفر میں آپ ایک گھاٹی سے گزر رہے تھے کہ بارہ منافقین نے اپنے طے شدہ

خبیث منصوبے کے تحت آپ کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس وقت حضرت عمار بن یاسرؓ آپ کی اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن الیمان اس اونٹنی کو ہانک رہے تھے۔ حملہ آور منافقین اپنے چہروں پر ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے۔ آپ کے ارشاد پر حضرت حذیفہؓ نے ان کی سواریوں کے چہرے پر اپنی ایک ڈھال سے ضرب لگانی شروع کردی تو وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا ملے۔ آپ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کے نام بتائے اور ان کے ارادے سے باخبر کیا۔ اسی لئے حضرت حذیفہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا راز دان کہا جاتا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق سورۂ توبہ میں ان منافقین کے متعلق ہے:

وَهَمُّوْا بِمَالَمْ يَنَالُوْا (۳۴/ب)

انہوں نے ایسے کام کا ارادہ کیا جسے وہ حاصل نہ کر سکے۔

اس طرح کی تمام خبریں رسول اللہ ﷺ نے غیر قرآنی وحی سے دیں۔

۱۷۔ **بہ حوالہ سریہ دومۃ الجندل:** شعبان ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے دومۃ الجندل کی جانب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی زیر امارت ایک سریہ روانہ فرمایا۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے فرمایا کہ اگر وہ لوگ اطاعت کرلیں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لینا۔ یہ لوگ مسلمان ہوگئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کے بادشاہ کی بیٹی تماضر بنت اصبغ کلبیہ سے نکاح کرلیا، جن سے ان کے صاحب زادے ابوسلمہ پیدا ہوئے۔ ان لوگوں کے مطیع ہوجانے، اسلام قبول کرنے اور ان کے بادشاہ کی بیٹی سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا نکاح ہونے کی پیشگی خبریں رسول اللہ ﷺ کو غیر قرآنی وحی سے حاصل ہوئیں۔ (۳۴/ج)

۱۸۔ **بہ حوالہ راز کی بات:** سورۂ تحریم میں ہے:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ○ (۳۵/الف)

اور جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی، پس جب اس عورت نے اس بات کی خبر کردی (اور راز کو راز نہ رہنے دیا) اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کردیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتادی اور تھوڑی سی ٹال گئے۔ پھر جب نبی نے اپنی بیوی کو (افشائے راز کی) یہ بات بتادی تو اس نے کہا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ (نبی نے) کہا کہ سب جاننے والے اور پوری خبر رکھنے والے (اللہ) نے مجھے بتادیا ہے۔

آیت سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک اہلیہ کو راز کی ایک بات بتائی تھی لیکن وہ اس راز کو سنبھال نہ سکیں۔ آپ نے ان سے افشائے راز کا کچھ صراحتاً اور کچھ اشارتاً شکوہ فرمایا تو وہ سخت حیران ہوکر پوچھنے لگیں کہ آپ کو میرے اس افشائے راز کا علم کیسے ہوا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے علیم وخبیر اللہ تعالیٰ نے اس سے باخبر فرمایا ہے۔ اس راز پر آپ کا مطلع ہونا غیر قرآنی وحی سے تھا ورنہ قرآن کریم میں تو اس کا کہیں ذکر نہیں ہوا تھا۔ علم کے تین ذرائع حواسِ سلیمہ، عقل اور سچی خبر ہیں۔ چوں کہ مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا جس ذریعے سے بھی علم حاصل ہو، اسے اللہ تعالیٰ کبھی اپنی طرف منسوب فرمالیتا ہے۔ لیکن اس طرح کی خبر محض حواس اور عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی جب تک کہ کوئی سچا مخبر اس پر آپ کو مطلع نہ کرے۔ یہاں آیت کے آخر میں کلمات ''علیم'' اور ''خبیر'' پر لام تعریف داخل ہے تو اس سے لازماً اللہ تعالیٰ ہی مراد ہے جیسا کہ آیت میں کلمات وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ سے بھی واضح ہورہا ہے۔ یہاں ''العلیم الخبیر'' سے کسی خاص شخص کو مراد لینا اور اسے مخبر قرار دینا سیاق وسباق کے قطعاً خلاف ہے اور ''العلیم الخبیر'' کا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ہونا کسی شک وشبہ اور اختلاف ونزاع سے بالاتر ہے، لہٰذا کسی باطل، دوراز کار اور مضحکہ خیز تاویل کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نیز بے ہودہ اور لچر تاویلات کہاں کہاں چل سکتی ہیں، ہم نے تو رسول اللہ ﷺ پر غیر قرآنی وحی کے نزول کے ثبوت میں واقعاتی شواہد اور دیگر دلائل کا ایک انبار لگادیا ہے۔

۱۹۔ بہ حوالہ قول باری تعالیٰ: سورۂ بنی اسرائیل میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ (۳۵/ب)

اور جب ہم نے تجھ سے کہا کہ بے شک تیرے رب نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے۔

اس سے معلوم ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا تھا اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ لیکن اس آیت کے نزول سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اپنے پیغمبر سے اس بات کا تذکرہ قرآن کریم میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ پس یہ بات آپ کو وحی غیر قرآنی سے کہی گئی تھی، تاکہ آپ پورے اطمینان اور دل جمعی سے اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچائیں اور کسی سے خوف زدہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات خواہ الفاظ وکلمات میں آپ کو پہنچائی ہو یا آپ کے قلب مبارک میں اس کا القا فرمایا ہو تو دونوں صورتوں میں ظاہر ہورہا ہے کہ آپ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا نزول بھی ہوا کرتا تھا۔

۲۰۔ بہ حوالہ ذکر الٰہی واحکام شرعیہ: مناسک حج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ○(۳۵/ج)

اور تم اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تم کو ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے تو تم گم راہوں میں سے تھے۔

رمضان کے روزوں کے احکام کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ (۳۶/الف)

اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی اسی طریقے سے بیان کرو جیسے اس نے تمہیں بتایا ہے۔

نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ○(۳۶/ب)

اور تو میرے ذکر کے لئے نماز قائم کر۔

سورۂ بقرہ میں صلوٰۃ الخوف کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ (۳۶/ج)

پھر جب تم امن کی حالت میں آجاؤ تو اللہ کو ایسے ہی یاد کرو جیسے اس نے تم کو تعلیم دی ہے۔

حال آں کہ نماز کے پڑھنے کا پورا طریقہ قرآن میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم اپنے پیغمبر کو غیر قرآنی وحی سے دی پھر آپ نے صحابہ کرامؓ کو دی۔ سورۂ انعام میں ہے:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ○ (۳۷/الف)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم جہانوں کے پروردگار کے لئے فرماں بردار ہو جائیں۔

اس کے فوراً بعد اگلی آیت میں ہے:

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ وَهُوَالَّذِيْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ (۳۷/ب)

اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اس (اللہ) سے ڈرو، اور وہ وہی ہے جس کے پاس تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کے ذکر اور تکبیر کا وہی طریقہ درست ہوسکتا ہے جس کی خبر اور جس کی تعلیم خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ نماز بھی اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر ایسے ہی ہونا چاہئے جیسے اس نے ہدایت فرمائی ہے، کیوں کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اب نماز ہی کو لیجئے۔ قرآن کریم میں اس کے پڑھنے کا پورا طریقہ، رکعات کی تعداد، رکوع وسجود کی تسبیحات، تشہد کے

کلمات، اذان واقامت کے کلمات وغیرہ موجود نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال سے لوگوں کو معلوم ہوا۔ اگر یہ سب کچھ آپ نے وحی کے بغیر از خود یا صحابہ کرام کے مشورے سے طے فرمایا تھا تو اسے ہرگز اللہ کا بتایا ہوا طریقہ نہیں کہا جاسکتا۔ نیز اس صورت میں ذکر اور نماز کے طریقے کی نسبت خود رسول اکرم ﷺ کی طرف کردی جاتی کہ جیسے اللہ کے رسول نے تمہیں سکھایا ہے، جیسے اللہ کے رسول نے ہدایت کی ہے، رسول کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے وغیرہ۔ لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تاکہ یہ خوب واضح ہوجائے کہ آپ کے دین میں اقوال وافعال آپ کی ذاتی خواہش یا آپ کے ساتھیوں کی مرضی اور مشورے پر ہرگز مبنی نہیں ہیں بل کہ وحی ربانی پر مبنی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر آپ پر قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی کا نزول ہوا ہے۔ اسی طرح پورے قرآن میں ہرگز اس طرح کا مضمون نہیں ملے گا کہ اللہ کا ذکر اسی طریقے سے کرو جو تمہارے حاکم اعلیٰ یا تمہارے منتخب نمائندوں نے تمہارے لئے باہم مشورے سے متعین کیا ہے۔ منکرین حدیث کے یہ افکار باطلہ لغو، لچر اور بدترین قسم کا شرک ہیں۔

قرآن کریم سے یہ خوبی ثابت ہے کہ احکام شرعیہ کے سلسلے میں آپ کا وحی ربانی پر نہ صرف انحصار ہی تھا بل کہ کئی ایک مواقع پر آپ کو اس کا انتظار بھی رہتا تھا۔ اگر آپ شرعی اوامر ونواہی کو از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے متعین کرنے کے مجاز ہوتے تو وحی پر انحصار اور اس کے انتظار کی آپ کو قطعاً ضرورت نہ ہوا کرتی۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ اور آپ کے ساتھی کوئی سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ آپ کو شدید انتظار تھا کہ بیت اللہ (کعبہ) کو قبلہ ٹھہرانے کا حکم کب نازل ہوتا ہے۔ اگر آپ قبلے کو متعین کرنے کے از خود مجاز ہوتے تو وحی کا آپ کو شدید انتظار کیوں تھا۔ اگر آپ نے بیت المقدس کو از خود قبلہ ٹھہرالیا تھا تو خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے میں آپ کو وحی کا انتظار نہ رہتا آپ اسے بھی خود ہی قبلہ متعین فرمالیتے۔ سورۂ نساء میں ہے:

> تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں تو تم ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو اگر وہ گواہی دیں تو تم ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (۳۷/ج) ''یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کردے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکالے''۔

اگر رسول اللہ ﷺ شرعی احکام اور جزئیات کو از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے متعین کرنے کے مجاز ومختار ہوتے تو اس طرح کے معاشرتی احکام کے بہ ذریعہ وحی نزول کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور نہ ہی آپ کو بدکاری کی شرعی حد کے لئے انتظار میں رکھا جاتا۔ غیر شادی شدہ بدکار مرد اور عورت کے لئے سو

کوڑوں کی سزا کا حکم سورۂ نور میں بعد میں نازل ہوا۔ حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہؓ کے شوہر حضرت اوس بن صامتؓ نے انہیں کہہ دیا کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو۔ زمانہ جاہلیت میں اسے طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ معاملہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا۔ ظہار کے احکام ابھی نازل نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ نے توقف فرمایا لیکن حضرت خولہؓ اپنے شوہر کے بارے میں برابر آپ سے تکرار کرتی رہیں کیوں کہ وہ اس صورت حال سے انتہائی پریشان اور رنجیدہ اور اصلاح احوال کے لئے آپ سے امید وابستہ کئے ہوئے تھیں۔ اگر آپ از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے شرعی مسائل اور جزئیات متعین کرنے کے مجاز ومختار ہوتے تو حضرت خولہؓ کی شدید پریشانی اور ان کی مسلسل تکرار وبحث کے پیش نظر وحی کا انتظار کئے بغیر فیصلہ صادر فرمادیتے۔ جس سے حضرت خولہؓ کی پریشانی جاتی رہتی۔ حضرت ہلال بن امیہؓ نے آپ سے پوچھا کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو کسی مرد کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھ لے تو کیا وہ چار گواہوں کو تلاش کرتا پھرے۔ اگر آپ از خود ایسے سنگین مسائل میں فیصلہ کرنے کے مجاز ہوتے تو لعان کے احکام کے نزول کا آپ کو انتظار نہ کرنا پڑتا۔ سورۂ انفال میں ہے کہ اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اس لئے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے تو اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب ہوں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۳۸/الف) آپ از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے دینی جزئیات متعین کرنے کے مجاز ہوتے تو باہم مشورے سے طے کر لیتے کہ زمانے کے تقاضوں اور حالات کے مطابق کب اور کہاں دشمن کی کتنی تعداد کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ آپ وحی کے محتاج نہ ہوتے۔ سورۂ بقرہ میں ہے کہ تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ تم میں سے جس کی موت کا وقت آجائے اور وہ مال چھوڑتا ہو تو اپنے والدین اور رشتے داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے۔ (۳۸/ب) اگر آپ از خود یا ساتھیوں کے مشورے سے دینی مسائل اور جزئیات طے کرنے کے مجاز ومختار ہوتے تو اس حکم کی روشنی میں باہم مشورہ کر کے والدین اور اقارب کے وراثت میں حصے متعین فرمادیتے۔ بعد میں سورۂ نسا میں ورثا کے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں تو ان احکام کے انتظار کا آپ کو پابند نہ کیا جاتا۔ حواس سلیمہ اور عقل سے جو علوم حاصل کئے جاتے ہیں ان کے متعلق لوگوں میں باہم اختلاف نہیں ہوا کرتا۔ علوم عقلیہ میں بلا امتیاز مذہب وملت لوگوں کے نظریات اکثر وبیش تر یک ساں ہوتے ہیں۔ قوانین فطرت کو سمجھنے اور معلوم کرنے میں اگر غلطی ہو جائے تو تجربات اور مشاہدات کا تسلسل لوگوں کے

لئے صحیح سمت متعین کر دیتا ہے۔ اس لئے ان علوم کے لئے اگر بعثت انبیا کی ضرورت ماضی بعید میں کبھی تھی تو بعد میں اس کی ضرورت قطعاً باقی نہ رہی۔ البتہ ایسے امور جو نبی کے بتائے بغیر لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتے اور جن میں لوگوں کا باہم ہمیشہ اختلاف رہتا ہے تو ایسے امور میں حضرات انبیا علیہم السلام بہ ذریعہ وحی لوگوں میں حق و باطل کا فیصلہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر حجت پوری کر دیتے ہیں۔ اُس لئے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق کے متعلق مسائل و ہدایات، اور اوامر و نواہی وحی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی پر وحی نازل ہوتی ہے اس کی تشریح بھی بہ ذریعہ وحی وہ اپنے اقوال و افعال سے خود کرتا ہے۔ کتاب اللہ کے متن کی طرح اس کی شرح بھی وحی پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر اللہ کی کتاب کا نبی خود شارح نہ ہو تو اس کی بعثت کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پس اگر قرآن کریم کے مجمل مضامین اور احکام کی وہ شرح جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات سے فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو آپ کی بعثت کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن کریم کو ایک کھلے میدان میں ڈال دیا جاتا اور ایک ندائے غیبی سے سب کو کہہ دیا جاتا کہ اس کتاب کو از خود یا اپنے حاکم اعلیٰ کے ذریعے سمجھ لو اور اس پر عمل کرو، اپنے مسائل اس کی روشنی میں خود حل کر لیا کرو۔ کفار کا تو مطالبہ ہی یہی تھا کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو۔ ایسا ہوتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے خاصا اطمینان بخش اور قابل قبول ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان رسولوں کے ذریعہ کتابیں نازل فرمائیں، حال آں کہ کفار کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ اگر لکھی لکھائی کتاب ان کو بہ راہ راست نہیں ملتی تو انسان کو رسول بنانے کی بہ جائے کسی فرشتے کو رسول بنانا چاہئے۔ اس کا جواب انہیں یہ دیا گیا کہ اگر زمین پر فرشتے آباد اور چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان پر کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (۳۸/ج) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آسمانی کتابوں کے لئے انسان رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے انسانوں کو ہی منتخب کرنے پر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس سوال کا جواب قرآن کریم میں ہی یہ دیا گیا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۳۹/الف)

اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے تو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس دار فانی سے رحلت فرما جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کے اوامر و نواہی، آپ کا اسوۂ حسنہ، آپ کے مواعظ و نصائح اور احکام و قضایا بھی آپ کے ساتھ روضۂ مبارکہ میں مدفون ہو گئے اور بعد کے حکم رانوں کو یا کسی بھی فرد کو قرآن کریم کی من پسند اور من گھڑت تشریح و توضیح کا

حق حاصل ہوگیا۔

۲۱۔ بہ حوالہ، حوالہ اتباع ماانزل اللہ: سورۂ مائدہ میں ہے کہ جولوگ ماانزل اللہ (جو اللہ نے اتارا ہے) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔(۴۹/الف)

رسول اللہ ﷺ کو بھی تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ آپ بھی ماانزل اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور اس سلسلے میں خوب ہوشیار اور چوکنے بھی رہیں کہ کہیں یہودی (اور دیگر دشمنان اسلام) آپ کو ماانزل اللہ کے کسی حصے سے ادھر ادھر نہ کردیں۔ اب اگر آپ پر نازل ہونے والی وحی کو صرف قرآن کریم میں محدود ومحصور کردیا جائے تو دین کے بارے میں آپ کے وہ اقوال وافعال جو قرآن کریم کے نہ تو مطابق ہیں اور نہ ہی متضاد ومخالف ہیں بل کہ قرآن پر زائد ہیں تو ان کی رو سے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت واخلاق اور لوگوں کے آپس کے خصومات میں آپ نے جو بھی فیصلے فرمائے وہ اگر بہ ظاہر ماانزل اللہ کے خلاف نہیں تو اس کے مطابق بھی نہ ہوئے۔ کیوں کہ اس (مفروضہ) صورت میں ماانزل اللہ تو صرف قرآن ہی ہوا، حال آں کہ آپ کو تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ آپ ماانزل اللہ کے مطابق ہی فیصلے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم نہیں دیا کہ آپ ماانزل اللہ کے خلاف فیصلے نہ کریں بل کہ حکم یہ دیا ہے کہ ماانزل اللہ کے عین مطابق فیصلے کریں۔

دونوں میں جو لطیف فرق وامتیاز ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہوتا کہ آپ ماانزل اللہ کے خلاف فیصلہ نہ کریں تو کہا جاسکتا تھا کہ قرآن کریم پر زائد آپ کے اقوال وافعال اگر ماانزل اللہ کے مطابق نہیں تو خلاف بھی تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ صرف اور صرف ماانزل اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور یہ بھی خوب احتیاط کریں کہ کہیں لوگ آپ کو ماانزل اللہ کے کسی حصے سے ادھر ادھر نہ کردیں، پس لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم پر زائد آپ کے اقوال وافعال یقیناً ماانزل اللہ کے عین مطابق ہیں اور یہ وہ ماانزل اللہ ہے جسے ہم غیر قرآنی وحی کہیں گے۔ ماانزل اللہ صرف قرآنی وحی ہی نہیں ہے بل کہ غیر قرآنی وحی بھی ماانزل اللہ میں ہی داخل ہے۔ یہ غیر قرآنی وحی اکثر وبیش تر بہ صورت معانی آپ کے قلب مبارک میں جاگزیں کی جاتی تھی اور جسے اقوال وافعال کا جامہ آپ خود پہناتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراتی وحی کے علاوہ غیر توراتی وحی کا نزول بھی بہ کثرت ہوا کیوں کہ تورات تو آپ کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد کہیں جاکر ملی تھی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر بھی قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا نزول بہ کثرت ہوا ہے۔ جس طرح توراتی اور غیر توراتی دونوں طرح کی وحی ماانزل اللہ میں داخل ہے بعینہٖ اسی طرح قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی بھی ماانزل اللہ میں داخل ہے۔

دیگر انبیا علیہم السلام کی طرح آپ بھی ماانزل اللہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے تھے لہٰذا آپ کا اپنے اصحاب سے دینی امور میں مشورہ (معاذ اللہ) ماانزل اللہ کا متبادل نہیں بل کہ دینی مسائل و جزئیات (ماانزل اللہ) کے نفاذ و اجراء کے لئے ہوا کرتا تھا۔ بہ الفاظ دیگر آپ کا مشورہ دینی مسائل و جزئیات کے وضع و اختراع کے لئے ہرگز نہیں بل کہ ان کے نفاذ و اجرا کے لئے ہوا کرتا تھا اور نہ صرف مشورے کی حد تک تو کتاب اللہ (قرآن کریم) سے مطابقت ہو جائے گی۔ لیکن قرآن پر زائد جن دینی مسائل اور جزئیات کو مشورے سے متعین کیا جائے گا تو ان کا ماانزل اللہ (وحی) کے مطابق ہونا معلوم کیا ہی نہیں جا سکتا، جب کہ ماانزل اللہ (وحی) کو صرف قرآن کریم تک ہی محدود اور اس میں محصور کر دیا جائے۔ پس لازماً قرآن کے علاوہ بھی ماانزل اللہ کو ماننا پڑے گا جو غیر قرانی وحی کہلائے گا، تو اس وحی کے ہوتے ہوئے دینی مسائل کو متعین کرنے کے لئے مشورے کی ضرورت ہی کب رہی؟ پس لامحالہ یہ مشورہ دینی مسائل کے اجرا اور نفاذ کے لئے ہی ہو سکتا ہے، دینی مسائل کے وضع و اختراع کے لئے ہرگز نہیں ہو سکتا، فتدبر

۲۲۔ بہ حوالہ رسول اللہ ﷺ کی بعض پیش گوئیاں: آپ نے مستقبل قریب و بعید کی بہت سی ایسی خبریں دیں جو قرآن کریم میں نہیں۔ یہ خبریں آپ کو وحی غیر قرآنی سے حاصل ہوئیں۔ نجومیوں، جوتشیوں، قیافہ شناسوں کی بہت سی خبریں جھوٹی نکلتی ہیں لیکن اللہ کے پیغمبر کی دی ہوئی خبر کبھی بھی غلط نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالے سے مستقبل کی متعدد خبریں ہم اوپر بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں ہم بعض مزید ایسی خبریں پیش کرتے ہیں جو آپ کی پیش گوئی کے عین مطابق خارج میں ظہور پذیر ہو چکیں۔ علامات قیامت، عالم برزخ اور آخرت کے متعلق بھی آپ نے بہت سی خبریں دیں لیکن اتمام حجت کے لئے آپ کی صرف چند ایسی پیشین گوئیوں کو بیان کیا جاتا ہے جو خارج میں ظہور پذیر ہو چکیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایسی پیشین گوئیوں کا یہاں احاطہ و استیعاب مقصود نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے پاس روئے زمین کے خزانے لا کر رکھ دیے گئے ہیں اور اس میں سے سونے کے دو کنگن آپ کے ہاتھ میں آ پڑے ہیں۔ آپ نے اس پر ناگواری محسوس فرمائی تو آپ کو وحی کے ذریعے حکم ہوا کہ ان دونوں کو پھونک دیجئے۔ آپ نے پھونک دیا تو وہ دونوں اڑ گئے۔ آپ نے اس کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ میرے بعد دو کذاب (نبوت کے جھوٹے مدعی) ظاہر ہوں گے۔ بعد میں مسیلمہ کذاب جب آپ کے پاس آیا تو آپ نے دوران گفت گو اس سے فرمایا، اللہ کی قسم! میں تجھے وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے متعلق مجھے خواب دکھایا گیا ہے۔ بعد کے سلسلہ واقعات میں مسیلمہ نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں یمامہ کے اندر قتل

کر دیا گیا۔ دوسرا مدعی نبوت اسود عنسی ظاہر ہوا جسے آپ کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے حضرت فیروزؓ نے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کی اطلاع آپ کو بہ ذریعہ وحی ہوئی اور آپ نے صحابہ کرامؓ کو اس سے مطلع فرمایا۔ بعد میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس اس کے مقتول ہونے کی باقاعدہ خبر آئی۔ (۴۰/ب)

حضرت ابوبکرہؓ (نفیع بن حارث) سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور قریب ہے کہ اللہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے۔ (۴۰/ج) چناں چہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی دونوں جماعتوں کے درمیان صلح حضرت حسن بن علیؓ ہی کی وجہ سے ہوئی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ حجاز کے علاقے سے آگ نہ نکلے جس کی روشنی میں بصریٰ کے مقام پر اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں۔ (۱۴/الف) شارح مسلم امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ آگ ۶۵۴ ہجری میں ظاہر ہوئی۔ شام اور دیگر علاقوں کے لوگوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ بات تواتر و تسلسل سے لوگوں میں پھیلی تھی۔

بہ روایت ثوبانؓ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشرق و مغرب میرے سامنے سمیٹ کر رکھ دیئے اور مجھے سونے اور چاندی کے خزانے عطا فرمائے گئے ہیں۔ (۴۱/ب) اس حدیث میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عمرؓ اور ان کے بعد دیگر خلفا اور مسلم حکم رانوں کے ذریعے یہ بشارت پوری ہوئی۔

مسند احمد میں حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، اے عدی! تم اسلام لاؤ تو سلامت رہو گے۔ میں نے کہا کہ میں تو خود ایک دین کا ماننے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارے دین کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔ میں نے کہا، آپ میرے دین کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! کیا تم کوسی مذہب نہیں رکھتے؟ (کوسی مذہب، عیسائی اور صابی مذہب کے درمیان ایک تیسرا مذہب تھا) اور پھر تم قوم کے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ بھی کھاتے ہو، حال آں کہ یہ تمہارے مذہب کی رو سے حلال نہیں۔ آپ کی اس بات پر مجھے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ (۴۱/ج)

صحیح بخاری میں ان ہی عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے آپ کے پاس آکر فاقے کی شکایت کی۔ پھر دوسرے نے آکر رہ زنی کی شکایت کی۔ آپ

نے فرمایا، اے عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ایک کجاوہ نشین عورت حیرہ سے آئے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی۔ اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کروگے۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ آدمی چلو بھر سونا اور چاندی نکالے گا اور ایسے شخص کی تلاش میں ہوگا جو اسے قبول کرلے مگر اسے اس کے مال کو قبول کرنے والا کوئی شخص نہیں ملے گا۔ اس روایت کے آخر میں حضرت عدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک کجاوہ نشین عورت نے حیرہ سے چل کر بیت اللہ پہنچ کر اس کا طواف کیا ہے اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ اور میں خود ان لوگوں کے ساتھ تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کئے اور اگر تم لوگوں کی زندگی دراز ہوئی تو تم یہ بھی دیکھ لوگے جو نبی ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک آدمی چلو بھر سونا یا چاندی نکال کر آئے گا کہ اسے قبول کرنے والا کوئی شخص مل جائے مگر اسے نہیں ملے گا۔ (۴۲/الف)

حضرت عبادہؓ بن صامت کی اہلیہ اور رسول اللہ ﷺ کی رضاعی خالہ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کا ایک ایسا گروہ پیش کیا گیا ہے جو بھر پور دریا میں کشتیوں پر سوار ہوکر اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ام حرامؓ نے عرض کیا، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے بھی ان میں شریک ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ چناں چہ حضرت معاویہؓ کی حکومت کے زمانے میں مجاہدین کا یہ قافلہ روانہ ہوا اور کشتیوں کے ذریعہ سفر کرکے جزیرہ قبرص کے ساحل پر اترا۔ اس موقع پر حضرت ام حرامؓ اپنی سواری سے گر پڑیں اور جام شہادت نوش فرمایا۔ (۴۲/ج)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی سفر سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو بہت تیز آندھی چلی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آندھی کسی بڑے منافق کی موت کے لئے آئی ہے۔ مدینے پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ایک بڑا منافق فوت ہو چکا ہے۔ (۴۳/الف)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے فاطمہؓ مجھ سے ملاقات کرے گی (۳۴/ب) آپ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے میری ملاقات کرنے والی وہ ہوگی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا (یعنی جو سخی ہوگی) چناں چہ حضرت زینبؓ بن جحش کی وفات سب سے پہلے ہوئی۔ (۴۳/ج)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ جبل

حرا پر تھے کہ اچانک اس پر زلزلہ آیا۔ آپ نے فرمایا، اے حرا، تھم جا تجھ پر اللہ کا نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ (۴۴/الف)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب لوگ اپنے خاص خاص لوگوں کو ہی سلام کیا کریں گے جن سے ان کی جان پہچان ہوگی۔ اور تجارت بہ کثرت ہوگی حتیٰ کہ عورتیں بھی تجارت میں شوہروں کی مدد کریں گی۔ قطع رحمی عام ہوگی۔ جھوٹی شہادتوں اور کتمان حق کا زور ہوگا۔ (۴۵/الف) اس طرح کی تمام خبریں رسول اللہ ﷺ نے غیر قرآنی وحی سے دیں۔

۲۳۔ بہ حوالہ نماز کے لئے اذان: سورۂ مائدہ میں ہے:

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا (۴۵/ب)

اور جب تم نماز کی طرف (بلانے کے لئے) اذان دیتے ہو تو وہ (مشرکین اور اہل کتاب) اسے مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔

سورۂ جمعہ میں ہے:

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (۴۵/ج)

اور جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے (اذان دی جائے) تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔

قرآں کریم میں نہ تو نماز پڑھنے کا پورا طریقہ بتایا گیا ہے اور نہ یہ حکم موجود ہے کہ نماز کے لئے اذان دیا کرو۔ جمعے کے خطبے اور عیدین کی نماز اور خطبے کا بھی کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کو غیر قرآنی وحی کے ذریعے دیا گیا۔

۲۴۔ بہ حوالہ دینی تاریخ: منکرین حدیث کہا کرتے ہیں کہ حدیث صرف دینی تاریخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جو پیشین گوئیاں خارج میں ظہور پذیر ہو چکیں، ان کی حیثیت تاریخی جزئیات ہی کی ہے۔ نیز اوپر بہت سی ایسی تاریخی جزئیات بھی دی گئی ہیں جن کی تائید قرآنی وحی سے بھی ہو رہی ہے اور قرآن کریم سے ہی یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سب وحی غیر قرآنی پر مبنی ہیں۔ منکرین حدیث اگر حدیث کو دینی تاریخ بھی قرار دیں تو پھر بھی وحی غیر قرآنی کا اعتراف کئے بغیر ان کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ یوں حدیث سے پیچھا چھڑانے کے لئے ان کی تاویلاتِ فاسدہ خود ان ہی کے گلے کا طوق بن رہی ہیں۔ اگر وہ ان تاریخی جزئیات پر مشتمل احادیث و روایات کا انکار کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ حسب موقع جو منہ میں آئے کہہ دیتے ہیں ورنہ وہ دینی تاریخ کے بھی منکر ہیں اور جو تاریخی جزئیات خود قرآن کریم سے ثابت

ہورہی ہیں اور ساتھ ہی وحی غیر قرآنی پر مہر تصدیق ثبت کررہی ہیں تو ان کے انکار سے خود قرآن کا انکار لازم آتا ہے اور منکرین حدیث کا یہ جھوٹ خوب نمایاں ہوجاتا ہے کہ ہم قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر وہ ان تاریخی جزئیات کے صحیح ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو لامحالہ انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا بھی نزول ہوا کرتا تھا۔ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب بھی متعلقہ احادیث وروایات سے ہی ثابت ہوتی ہے۔ موجودہ ترتیب کو ترتیب توقیفی کہا جاتا ہے اور یہ ترتیب نزولی سے بہت مختلف ہے۔ ان تاریخی روایات کا انکار کیا جائے تو قرآن کریم کا محفوظ کتاب ہونا ہی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ترتیب اگر وحی سے فرمائی ہے تو وحی غیر قرآنی کا ثبوت مل رہا ہے، کیوں کہ قرآن کی ترتیب تو ایک طرف رہی اس کی کتابت کا بھی کوئی حکم قرآن کریم میں نہیں ہے۔ اگر آپ نے یہ ترتیب توقیفی وحی کے بغیر اپنی مرضی اور صواب دید سے فرمائی ہے تو متکلم کے کلام میں اس کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا کلام میں تحریف ہے۔ اس (باطل) مفروضے کو مان لینے سے قرآن کریم کا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) محرف ہونا تو اولین مرحلے میں ہی لازم آرہا ہے حال آں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ اعلان بھی کرایا تھا:

مَایَکُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَائِیْ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰی اِلَیَّ (۴۶/الف)

مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں، میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بھی غور کیجئے کہ آپ سے یہ نہیں کہلوایا گیا کہ میں اس چیز کی پیروی نہیں کرتا جو مجھ پر نازل شدہ وحی کے خلاف ہو بل کہ یہ اعلان کرایا جارہا ہے کہ دین کے متعلق میرا ہر قول وفعل اس کے عین مطابق ہے جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ پس اگر قرآن پر زائد آپ کے اقوال، افعال اور تقریرات وحی پر مبنی نہ ہوں تو آپ سے یہ اعلان کرانا کیسے درست ہوا کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے لہٰذا یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ تو راتی وحی کے علاوہ غیر تو راتی وحی کی پیروی کے بھی مکلف وپابند تھے یعنہٖ اسی طرح خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کی پیروی کے بھی مکلف وپابند تھے۔ چناں چہ سورۂ مزمل میں ہے:

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۴۶/ب)

بے شک ہم نے تم پر گواہی دینے والا رسول تمہاری طرف بھیجا ہے جیسے ہم نے فرعون کی

طرف رسول بھیجا تھا۔

فرعون سے کش مکش کے ایام میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول تھے اور رسول دینی اصطلاح میں اسی کو کہتے ہیں جو صاحب وحی ہو۔ اس طویل عرصے میں آپ پر غیر توراتی وحی کا نزول ہوتا رہا۔ تورات تو آپ کو فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق ہونے کے بعد ملی تھی۔ اگر آپ پر توراتی وحی کے علاوہ غیر توراتی وحی بھی نازل ہوتی رہی تو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا بھی نزول ہوا ہے، تو اس کے تصور سے منکرین حدیث کو کیوں حساسیت (الرجی) لاحق ہو جاتی ہے؟ غیر توراتی وحی بھی لوگوں پر حجت تھی ورنہ فرعون کو غرق نہ ہونا پڑتا۔ چناں چہ سورۂ مزمل میں ہی مذکورہ بالا آیت کے فوراً بعد اگلی آیت یہ ہے:

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ○ (۴۶/ج)

تو فرعون نے (ہمارے) رسول (موسیٰ علیہ السلام) کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے پُر وبال گرفت میں لے لیا۔

پس قرآنی وحی کے ساتھ غیر قرآنی وحی بھی یقیناً حجت ہے۔ جب ہر طرح ناقابل تردید شواہد اور دلائل سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا بھی نزول ہوا ہے تو اس غیر قرآنی وحی کا اہم ترین مقصد خود قرآنی وحی نے متعین کر دیا ہے۔ سورۂ قیامہ میں ہے کہ قرآنی وحی کو جمع کرنا اور اسے آپ کی زبان پر پڑھنا ہمارے ذمے ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بيانه (۴۷/الف)

پھر اس (قرآنی وحی) کا بیان (تشریح وتوضیح) بھی ہمارے ذمے ہے۔

یعنی غیر قرآنی وحی سے قرآنی وحی کے مجمل مضامین واحکام کی توضیح وتشریح مقصود ہے۔ پس دونوں طرح کی وحی گو بہ اعتبار وجود الگ الگ ہے لیکن بہ اعتبار غرض وغایت متحد ہے۔ وحی غیر قرآنی کا مقصد یہی تو ہے کہ اس وحی کو رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اپنے اقوال، افعال اور تقریرات سے لوگوں پر ظاہر فرمایا ہے تو آپ کے اس اسوۂ حسنہ کی روشنی میں امت قرآن کریم پر عمل کرے کیوں کہ آپ ایک چلتا پھرتا قرآن تھے۔ وحی قرآنی ہو یا غیر قرآنی، اس میں اپنی مرضی اور اپنی خواہش نفس سے تغیر وتبدل کا حق تو خود آپ کو بھی نہیں تھا تو بعد میں آنے والے کسی حکم ران یا کسی بھی فرد یا افراد کو کیسے ہو سکتا ہے؟

فَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○ (۴۷/ب)

تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کسی بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

دین کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ہر فعل امت کے لئے سراپا ہدایت ہے:

مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (۴۷/ج)

تمہارا یہ ساتھی (محمد ﷺ) نہ تو بھٹکا ہے اور نہ ہی بہکا ہے۔

آپ کا دین کے بارے میں ہر قول بھی وحی کی بنا پر ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۴۸/الف)

اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔

جب آپ پر قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی کا نزول نا قابل تردید دلائل سے خوب واضح ہو چکا تو نطق رسول (رسول کے بولنے) کا اطلاق وحی قرآنی اور غیر قرآنی دونوں پر ہوگا۔ آپ اپنی زبان مبارک سے قرآن پڑھ کر سنائیں تو وہ بھی وحی ہے اور اس قرآن کے اجمال کی تشریح فرمائیں یا دین کے متعلق اس پر زائد کچھ ارشاد فرمائیں تو وہ بھی وحی ہے۔ پس آیت اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى میں ضمیر ''ھو'' کا مرجع نطق رسول ہے جو خود قرآنی کلمات وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى میں موجود ہے، اور یہ نطق قرآنی اور غیر قرآنی وحی دونوں پر محیط ہے۔ یہ تصور بہ ذات خود مضحکہ خیز ہے کہ قرآنی وحی تو اللہ کی طرف سے ہو اور غیر قرآنی وحی آپ نے از خود یا صحابہ کرامؓ کے مشورے سے گھڑ لی ہو۔ دینی اصطلاح میں وحی کہتے ہی اس پیغام کو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواہ بہ صورت الفاظ وکلمات نبی کو حاصل ہو یا بہ صورت معانی حاصل ہو جسے اقوال وافعال کا جامہ خود نبی پہنائے۔

دنیوی امور فرداً فرداً وحی کے محتاج نہیں ہوتے اور ان طبعی امور میں حضرات انبیا علیہم السلام سے ان کے مخالفین ومعاندین کا کوئی نزاع بھی نہیں ہوا کرتا۔ تاہم دنیوی امور بھی وحی حقیقی یا حکمی (سکوتی وتقریری) کی اصولی ہدایات کے تابع ہی ہوتے ہیں۔ دنیوی امور کی آڑ میں نطق رسول کو صرف وحی قرآنی تک محدود کر دینا اور غیر قرآنی وحی کو خارج کر دینا ہرگز صحیح نہیں۔ نطق رسول تو عام ہے اسے وحی قرآنی کے ساتھ مخصوص کر دینے کا اگر کوئی عقلی ومنطقی جواز ہے تو اس نطق کو دین کے متعلق اقوال رسول سے خاص کر دینے کا جواز کیوں موجود نہیں ہے؟ پس سورۂ نجم کی مذکورہ بالا آیات میں رسول اللہ ﷺ کے فعل وقول سے مراد آپ کا وہ فعل وقول ہے جو دین کے بارے میں ہے۔ خواہ وہ قرآن میں موجود و مذکور ہو یا قرآن پر زائد ہو۔ آپ دین کے بارے میں جو کچھ بھی کرتے اور کہتے ہیں وہ خواہش نفس پر نہیں بل کہ وحی ربانی پر مبنی ہے۔ عام دنیوی اور طبعی امور تو فرداً فرداً وحی کے محتاج ہی نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی مخالفین ومعاندین کا ایسے امور کے بارے میں حضرات انبیا علیہم السلام سے کوئی تنازعہ ہوتا ہے۔

الغرض جیسا کہ کلام کے سیاق وسباق سے بھی خوب واضح ہے، آیت اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں ضمیر ''ھو'' کا مرجع ''القرآن'' نہیں بل کہ ''نطق رسول'' ہے اور اس سے مراد دین میں رسول ﷺ کے تمام اقوال ہیں خواہ وہ وحی قرآنی پر مشتمل ہوں یا وحی غیر قرآنی پر مبنی ہوں۔

۲۔ وحی غیر قرآنی سے متعلق اہم مباحث

الف: نزول وحی کی تین صورتیں

جیسا کہ گزشتہ مباحث میں بھی بتایا جا چکا ہے، پیغمبر پر نزول وحی کی تین صورتیں ہیں۔ سورۂ شوریٰ میں ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (۴۸/ب)

کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام رساں (فرشتے) کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ برتر ہے، حکمت والا ہے۔

اس آیت میں نزول وحی کی تین صورتوں میں سے پہلی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کے دل میں کوئی بات پختہ کر دی جائے یا خواب میں بتلائی جائے اور نبی کو یہ یقین کامل ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی سے پس پردہ کلام کرے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے معراج کے موقع پر ہوا۔ نزول وحی کی تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے فرشتے کے ذریعے نبی پر وحی نازل فرمائے جیسے حضرت جبرئیلؑ اللہ کا پیغام لے کر آتے اور حضرات انبیا علیہم السلام کو پہنچاتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ پر قرآن وحی کی تیسری صورت یعنی فرشتہ جبرئیلؑ کے ذریعے نازل ہوا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴۸/ج)

تو بے شک اس (جبرئیل) نے اس (قرآن) کو اللہ کے حکم سے تیرے دل پر اتارا ہے۔

سورۂ شعرا میں ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ (۴۹/الف)

(اے پیغمبر!) اسے امانت دار فرشتے نے تیرے دل پر اتارا ہے، تاکہ تو آگاہ کرنے

والوں میں سے ہو جائے۔

پس جب قرآنی وحی کا نزول وحی کی صرف تیسری صورت میں ہوا ہے تو وحی کی بقیہ دونوں صورتوں میں رسول اللہ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی وہ یقیناً غیر قرآنی وحی ہے جس سے قرآنی وحی کی تشریح وتوضیح ہوتی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن کے ساتھ ساتھ بیانِ قرآن کا بھی وعدہ فرمایا اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا نہ فرمائے۔ سورۂ قیامہ میں ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه (۷۹/ب)

پھر اس (قرآن) کا بیان (تشریح وتوضیح) ہمارے ذمہ ہے۔

یعنی قرآن اور بیانِ قرآن دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ بیانِ قرآن وہ غیر قرآنی وحی ہے جس کے ذریعے حسب موقع وضرورت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے قرآنی وحی کی تشریح کرائی ہے۔ اس غیر قرآنی وحی کا علم رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات سے یعنی سنت وحدیث ہی سے تو ہوتا ہے۔ یہ سمجھنا پرلے درجے کی حماقت وسفاہت ہے کہ قرآن تو تا قیامت حجت ہو اور بیان قرآن تا قیامت حجت نہ ہو۔ اسے حجت نہ سمجھنا کفر وبغاوت ہے۔ قرآنی وحی کی حیثیت متن کی اور غیر قرآنی وحی کی حیثیت شرح کی ہے۔ متن اور شرح بہ اعتبار وجود الگ الگ ہوتے ہیں لہٰذا انہیں باہم گڈمڈ نہیں کیا جاتا، لیکن بہ اعتبار غرض وغایت دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ متن کی شرح خود متکلم ہی کی طرف سے ہو۔ متکلم اگر اپنے کلام کی خود شرح کرے تو کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس شرح میں ترمیم وتنسیخ یا تغیر وتبدل کر سکے۔ قرآن کریم رب العالمین کا کلام ہے اور اسی نے اپنے رسول کے ذریعے لوگوں کو بیانِ قرآن بھی غیر قرآنی وحی کی صورت میں دیا ہے۔ جب مخلوق کے کلام اور بیانِ کلام میں کسی اور کو تغیر وتبدل کا اختیار نہیں تو خالق کے کلام اور بیانِ کلام میں تو بہ طریق اولیٰ ایسا اختیار کسی بھی مخلوق (جن وانس) کو حاصل نہیں۔ کلام اور بیانِ کلام الگ الگ ہوتے ہیں انہیں باہم مخلوط کر دیا جائے تو دونوں میں امتیاز کیسے ہوگا۔ لیکن ان کے یک جا نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ متکلم اپنے کلام کی جو خود تشریح وتوضیح کرے تو اس بیانِ کلام میں تغیر وتبدل کا دوسروں کو حق حاصل ہوگا۔ اب غور کیجئے کہ غلام احمد پرویز کا یہ لکھنا کس قدر لغو اور لچر ہے:

اگر ان (اصولی احکام) کی جزئیات قیامت تک کے لئے ناقابل تغیر وتبدل ہوتیں تو خود قرآن ہی ان کی جزئیات متعین کیوں نہ کر دیتا۔ (۷۹/ج)

نیز یہ بھی لکھا ہے:

جن جزئیات کو بدلنے والے احوال وظروف کے مطابق قابل تغیر سمجھا گیا انہیں قرآن نے بلاتعین چھوڑ دیا کہ ہر زمانے میں ان کا تعین خود کرلیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے کے احوال واقتضاءات کے مطابق بہ حیثیت مرکز دین ان کا تعین فرمایا۔ بعد میں آنے والے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان میں ردوبدل کرسکتے ہیں۔ اگر ان میں ردوبدل کا امکان واختیار نہ ہوتا تو ان جزئیات کا تعین بھی قرآن ہی کردیتا۔ (۵۰/الف)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جہاں اور احکام کی جزئیات متعین کرائی تھیں اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ باقی ماندہ احکام کے لئے بھی ایسا ہی کردیتا۔ (۵۰/ب)

یہاں سب سے اہم اور بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو دینی جزئیات اور مسائل قرآن کریم میں مذکور نہیں بل کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) سے امت کو معلوم ہوئے، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو قرآن کریم تو نزول وحی کی تین صورتوں میں سے صرف تیسری صورت یعنی اللہ کی طرف سے ارسال رسول (فرشتہ بھیجنے کے) ذریعے نازل ہوا تو باقی دو اقسام کی وحی کدھر گئی؟ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں جہاں یہ وعدہ فرمایا کہ اس قرآن کو جمع کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر اسے جاری اور چالو کرنا ہمارے ذمے ہے تو وہیں یہ بھی وعدہ فرمایا کہ ''پھر اس کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے''۔ یہ قرآن والا وعدہ تو پورا ہوگیا تو بیانِ قرآن والے وعدے کا کیا رہا؟ اگر یہ وعدہ پورا نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف (معاذ اللہ) عہد شکنی کو منسوب کرنا پڑے گا اور اگر یہ وعدہ پورا فرمایا تو بتایئے یہ بیانِ قرآن کدھر غائب ہوگیا؟ اگر قرآن کا سمجھنا بیانِ قرآن پر موقوف ہی نہیں تھا تو اس خبیث مفروضے کو قبول کرنے سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے (معاذ اللہ) ایک عبث، فضول اور غیر ضروری کام کیا۔ اگر قرآن فہمی بیانِ قرآن پر موقوف ہے تو بیانِ قرآن وہی تو ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) سے صحابہ کرامؓ تک پہنچایا۔ اسی سنت کو الفاظ وکلمات میں بیان کرنے کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ قرآن وسنت کے مضامین کو باہم مخلوط اور یک جا کیوں نہیں کیا گیا اور منکرین حدیث کو اللہ تعالیٰ کے خلاف سب سے بڑی شکایت ہی یہی ہے تو اس کا تہدیدی (ڈانٹ ڈپٹ پر مشتمل) جواب خود اللہ تعالیٰ نے ہی سورۂ شوریٰ کی اس آیت کے آخری کلمات میں دے دیا ہے جس میں کسی پیغمبر پر نزول وحی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ آیت کے آخر میں ہے:

اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ ○ (۵۰/ج)

بے شک وہ (اللہ) نہایت برتر (اور) حکمت والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان اس قدر بلند و برتر ہے کہ مخلوق کو اس کے کاموں پر اعتراض و شکایت کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور جنات پر فضیلت دی تو ابلیس نے اس پر سخت اعتراض کیا جس کی وجہ سے وہ ملعون و مردود ہوا۔ اللہ تعالیٰ صاحب حکمت بھی ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے اگر اس نے حضرت موسیٰؑ پر توراتی وحی کے علاوہ غیر توراتی وحی بھی اتاری اور سید المرسلین پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی بھی اتاری تو اس میں اس کی حکمتیں ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات فرعون کے غرق ہونے کے بعد کہیں جا کر ملی تھی اور اس سے پہلے سال ہا سال تک ان پر جو وحی نازل ہوتی رہی وہ غیر توراتی وحی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غیر توراتی اور توراتی وحی کو باہم یک جا اور مخلوط نہیں کر دیا تھا تو منکرین حدیث کو قرآنی اور غیر قرآنی وحی کے باہم مخلوط اور یک جا نہ ہونے پر اس قدر برہمی، پریشانی اور گلہ شکوہ کیوں ہے؟ پرویز صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کون سی مشکل تھی کہ جو دینی مسائل اور احکام قرآن میں مذکور نہیں یا ان کی تفصیل موجود نہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال سے معلوم ہوئی تو یہ سب کچھ وہ قرآن میں ہی یک جا کر دیتا، اس کا تہدیدی جواب تو خود قرآن نے دے دیا۔ الزامی جواب یہ ہے کہ ہم پرویزی منکرین حدیث سے خود ان ہی کی زبان میں یہ پوچھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کے لئے کون سی مشکل تھی کہ جہاں اس نے اوراد احکام اور جزئیات متعین کرائی تھیں تو وہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے کلمات بار بار قرآن میں لانے کی بہ جائے سیدھا مرکز دین یا ''مرکز ملت'' کی اطاعت کے کلمات لاتا؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ وہ اپنے رسول سے متعدد مرتبہ یہ اعلان ہی نہ کراتا کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ اس طرح اعلان کرانے کی بہ جائے وہ یہ اعلان کراتا کہ میں تو صرف قرآن ہی کی پیروی کرتا ہوں؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ وہ صاف صاف اس مفہوم کی آیات نازل فرماتا کہ رسول اللہ ﷺ کی اپنے دینی اقوال اور افعال سے متعین فرمودہ جزئیات اور مسائل دائمی نہیں ہیں بل کہ آپ کی رحلت کے بعد تمہارا رہبر حاکم اعلیٰ (مرکز ملت) از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے جب دل چاہے انہیں بدل لیا کرے؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ جہاں اس نے یہ فرمایا کہ تمہارے لئے تمہارے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے تو وہ رسول کی بہ جائے یہ فرماتا کہ تمہارے لئے تمہارے اپنے دور کے ہر مرکز ملت کی ذات میں بہترین نمونہ ہے کیوں کہ میرے رسول کی طے فرمودہ

دینی جزئیات تو رسول کے ساتھ ہی ان کے روضہ مبارکہ میں دفن ہو جائیں گی؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ وہ امت مسلمہ کے لئے رسول ﷺ کی ذات مبارکہ کو اسوۂ حسنہ قرار دینے کی بہ جائے یہ فرما دیتا کہ تمہارے لئے اس قرآن میں ہی اسوۂ حسنہ موجود ہے؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ وہ (مثلاً) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی کو صرف تورات میں ہی محصور فرما دیتا؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ تورات کے نزول سے پہلے وہ سال ہا سال تک جو وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کرتا رہا اسے سرے سے نازل ہی نہ کرتا اور شروع میں ہی صرف تورات نازل فرما دیتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ''مرکز ملت'' کی حیثیت سے خود ہی تورات کے اصولی احکام کی جزئیات متعین کرتے رہتے؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ وہ توراتی وحی اور غیر توراتی وحی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے یک جا کرا دیتا اور غیر توراتی وحی کو توراتی وحی کا جزو لاینفک بنا دیتا؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے واضح حکم نازل فرما دیتا کہ چوں کہ تمہیں دینی جزئیات از خود یا صحابہ کرام کے مشورے سے متعین کرنے کا میں نے اختیار دے دیا ہے اس لئے تم وحی کے انتظار میں (مثلاً تحویل قبلہ کے سلسلے میں) آسمان کی طرف خواہ مخواہ منہ نہ اٹھایا کرو؟ اس کے لئے کون سی مشکل تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم بھی دیتا کہ کسی مسئلے پر صحابہ کرامؓ کی جو متفقہ رائے ہو اسے ہر حال میں قبول کیا کرو۔ اور خواہ مخواہ وحی پر انحصار اور اس کا انتظار نہ کیا کرو؟۔

یاد رہے کہ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط پر کوئی ایک بھی صحابی راضی نہیں تھا لیکن آپ نے ان ہی شرائط پر صلح فرمائی تھی۔ یہاں سوال کسی مشکل کا نہیں بل کہ حکمت کا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ کی زیر نظر آیت کے آخر میں اپنا صفتی نام ''حکیم'' لا کر واضح کر دیا ہے ورنہ بتایئے اللہ کے لئے کون سی مشکل تھی کہ وہ نزول وحی کے لئے تین صورتوں کی بہ جائے اسے ایک ہی صورت میں متعین ومخصوص فرما دیتا؟ اللہ تعالیٰ صاحب حکمت ہے خواہ اس کے کسی کام کی حکمت مخلوق کو معلوم ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ عدم علم سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔ منکرین حدیث اور دیگر اہل باطل کے ایسے بے ہودہ اعتراضات اور اشکالات کا ایک بہترین جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بھی دیا ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (۵۱/الف)

اور اگر حق ان کی خواہشات کا پیرو ہو جائے تو زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ جب پیغمبر پر ایک ہی طریقے سے وحی نازل نہیں ہوتی تو وحی کی مختلف

نوعیتوں، اقسام اور ان کی اپنی اپنی امتیازی خصوصیات کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہر طرح کی وحی کو باہم مخلوط اور یک جا کر دینا بعض صورتوں میں عقلاً ممکن ہی نہیں جیسا کہ آئندہ سطور میں ہم اسے واضح کر رہے ہیں اور بعض صورتوں میں نامناسب ہے۔

ب: قرآنی اور غیر قرآنی وحی کی امتیازی خصوصیات

قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے اور لوگوں پر حجت (واجب التسلیم) بھی ہے البتہ ان دونوں میں متعدد حیثیتوں سے نمایاں فرق بھی ہے لہٰذا انہیں یک جا نہیں کیا گیا۔

اولاً وحی قرآنی کا نزول بہ ذریعہ فرشتہ جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر ہوا ہے لیکن وحی غیر قرآنی کا نزول فرشتے کے ذریعے ہونا ضروری نہیں بل کہ اس کا بڑا حصہ وحی غیر مَلَکی (فرشتہ بھیجے بغیر وحی) پر مشتمل ہے۔

ثانیاً وحی قرآنی میں الفاظ و معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ وحی غیر قرآنی میں معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور الفاظ اکثر و بیشتر صورتوں میں رسول اللہ ﷺ کے اور بعض اوقات حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہوتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر وحی قرآنی یعنی قرآن کریم کلام اللہ ہے۔ وحی غیر قرآنی کے معانی اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں جب کہ الفاظ و کلمات اللہ کی طرف سے نہیں ہوتے لہٰذا وحی غیر قرآنی کا الفاظ و کلمات میں اظہار جس کلام سے کیا جاتا ہے وہ خالق کا نہیں بل کہ مخلوق کا کلام ہے۔ اب سوچئے کہ خالق اور مخلوق کے کلام یعنی قرآن و سنت کو باہم مخلوط کر دینے کی خواہش یا مطالبہ کس طرح معقول اور مناسب قرار دیا جا سکتا ہے؟

ثالثاً وحی قرآنی بہ حالت بیداری ہوتی ہے جب کہ وحی غیر قرآنی نیند کی حالت میں بھی ہو سکتی ہے، کیوں کہ حضرات انبیا علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ جیسے صلح حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے دیکھا اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں ذبح ہوتے دیکھا۔ (۵۱/ب)

رابعاً وحی قرآنی میں چوں کہ الفاظ و معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اس لئے اس کی تلاوت بہ جائے خود مقصود ہے صرف اس کے معانی و مفاہیم ہی مقصود نہیں۔ چناں چہ حروف مقطعات کے معانی اور آیات متشابہات کا صحیح مفہوم اگرچہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں لیکن تلاوت ان کی بھی مقصود و مطلوب ہے۔ اس لئے قرآنی وحی کو وحی متلو اور غیر قرآنی وحی کو وحی غیر متلو بھی کہا جاتا ہے۔ وحی غیر قرآنی

(احادیث کے متون) کے پڑھنے اور پڑھانے کی فضیلت اپنی جگہ پر مسلم ہے لیکن اس کی تلاوت قرآن کریم کی طرح مقصود نہیں اس لئے وحی متلو (قرآن) کے مقابلے میں اسے وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ لیکن وحی غیر قرآنی کو وحی غیر متلو تغلیباً کہا جاتا ہے کہ اس کے بہت بڑے حصے کی قرآن کریم کی طرح تلاوت مقصود نہیں لیکن اس وحی غیر قرآنی کے بعض حصوں کا پڑھنا بھی قرآنی وحی (قرآن کریم) کے پڑھنے کی طرح مقصود ومطلوب ہے مثلاً نماز کے قعدہ میں تشہد کے کلمات، رکوع وسجود کی تسبیحات، مسنون ادعیہ واذکار کے کلمات اسی قسم میں داخل ہیں۔

خامساً وحی قرآنی کا ایک ایک لفظ امت کو پہنچایا جاتا ہے۔ وحی غیر قرآنی کے وہ مضامین جن کا تعلق قرآن کریم کے مجمل مضامین اور احکام کی تشریح وتوضیح سے ہوتا ہے اور وہ مضامین جو وحی قرآنی (قرآن) میں صراحتاً موجود نہیں لیکن پوری امت کے لئے مطلوب ومقصود ہوتے ہیں وہ بھی پوری طرح قولاً یا فعلاً امت کو پہنچائے جاتے ہیں۔ البتہ وحی غیر قرآنی کے وہ مضامین جن کا تعلق کسی خاص فرد یا بعض افراد سے ہو یا جن کا اظہار کسی خاص موقع اور محل پر ہی مناسب ہو، ان کا سب تک پہنچانا یا بلا توقف پہنچانا ضروری نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو طرح کا علم سیکھا۔ ایک تو میں نے لوگوں کو بتا دیا۔ دوسرا اگر بتا دوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے گا۔ (۵۱/ ج) قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم ان فتنوں کے متعلق تھا جن کی رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو خبر دی تھی اور ان میں سے بعض کا ظہور ان کی زندگی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ اور مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو چند منافقین کے نام بتا رکھے تھے لیکن وہ انہیں خفیہ رکھتے تھے۔ (۵۱/ د) اور مثلاً رسول اللہ ﷺ کی اس قولی حدیث کو پہلے پہل عام شہرت نہیں دی گئی کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہو وہ جنت میں جائے گا تاکہ لوگ غلطی سے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اس کے بعد اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ جب یہ خدشہ جاتا رہا تو اس حدیث کو متعلقہ اصحاب رسول نے لوگوں پر ظاہر کر دیا جیسے حضرت معاذؓ بن جبل نے اپنی موت کے وقت یہ حدیث بیان فرما دی۔ (۵۲/ الف)

سادساً وحی قرآنی یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ وحی غیر قرآنی میں چوں کہ اکثر وبیشتر صورتوں میں صرف معانی کا رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں القا ہوتا تھا تو جن معانی کو آپ نے الفاظ کا جامہ پہنایا اسے آپ کی سنت قولی، اور جن معانی کا اظہار آپ نے اپنے افعال سے فرمایا ہے اسے آپ کی سنت فعلی کہا جاتا ہے اور جن معانی کا اظہار آپ کے سکوت سے یوں ہوا کہ کسی نے آپ کے سامنے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا اور آپ اس پر خاموش رہے تو آپ کے اس سکوت نے اس قول وفعل کی

تصویب فرمادی۔ اسے آپ کی سنت تقریری کہا جاتا ہے۔ پس وحی قرآنی تو قرآن کریم کی صورت میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مجموعہ ہے اور وحی غیر قرآنی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات سے ظاہر فرمایا ہے یعنی وحی غیر قرآنی صرف اقوال پر ہی مشتمل نہیں بل کہ رسول اللہ ﷺ کے افعال اور تقریرات کا بھی احاطہ کرتی ہے۔ آپ کے بہت سے افعال اور تقریرات کو صحابہ کرامؓ نے اپنے الفاظ وکلمات میں بیان کیا ہے اور آپ کے اقوال کو بھی امت تک پہنچایا ہے۔ یوں وحی غیر قرآنی (سنت رسول) کو الفاظ وکلمات میں بیان کرنے اور آگے منتقل کرنے کو حدیث کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بہت سے افعال کا ایک حصہ الفاظ وکلمات کی بہ جائے تعامل امت سے ہم تک پہنچا ہے۔ مثلاً نماز ہی کو لیجئے، اس کا بالترتیب اور بالتفصیل مکمل طریقہ یعنی فقہی اصطلاح کے مطابق اس کی شرائط، ارکان، واجبات، سنن موکدہ وغیر موکدہ، مستحبات ومباہات، مکروہات، مفسدات، ان میں ہر ایک کی تعداد، ہر ایک کی تعریف، ہر ایک کے عمداً یا سہواً چھوٹ جانے کے پورے پورے احکام اور مسائل کی پوری پوری تفصیل احادیث کے ذخیروں میں نہیں ملے گی بل کہ بہت سے متعلقہ امور امت کے عملی تواتر سے پہنچے ہیں۔ سنت اور حدیث کو اگرچہ ہم معنیٰ سمجھا اور بولا جاتا ہے۔ تاہم ان میں اس لطیف فرق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اصول فقہ کی کتب میں جب مآخذ شریعت کی بات ہوتی ہے تو قرآن کے بعد دوسرے ماخذ کو ظاہر کرنے کے لئے حدیث کی بہ جائے ''سنت'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی سنن فعلیہ (وحی غیر قرآنی) کا وہ حصہ بھی شامل رہے جو حدیث کی بہ جائے محض تعامل امت سے ہم تک پہنچا ہے۔

سابعاً وحی قرآنی میں چوں کہ الفاظ وکلمات دونوں اللہ طرف سے ہیں اس لئے قرآن کریم کو معجزہ قرار دیا گیا ہے۔ تحدی (چیلنج) کے باوجود اس جیسا کلام کوئی انسان یا جن پیش نہیں کرسکتا۔ وحی غیر قرآنی میں کلام کی یہ حیثیت نہیں گو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں بھی حیرت انگیز جامعیت اور انفرادیت پائی جاتی ہے اور عملی حیثیت سے آپ کا اسوۂ حسنہ بھی معجزہ ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک حدیث قدسی (جس میں متکلم اللہ تعالیٰ ہوتا ہے) کے الفاظ وکلمات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن قرآن اور حدیث قدسی میں فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کلام مُعجز (معجزانہ حیثیت رکھنے والا کلام) ہے جب کہ حدیث قدسی کلامِ غیر معجز ہے۔

ثامناً وحی قرآنی کی صورت رسول اللہ ﷺ کے لئے جسمانی لحاظ سے بہت بھاری اور تکلیف دہ ہوتی تھی کیوں کہ آپ کا رابطہ مادی عالم سے کٹ کر روحانی عالم سے وابستہ ہوا کرتا تھا۔ وحی قرآنی کے

بوجھ کو وہ جانور بھی محسوس کرتے تھے جن پر نزول وحی کی حالت میں آپ سوار ہوا کرتے تھے۔ سرد موسم میں بھی آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا۔ وحی غیر قرآنی میں یہ حالت نہیں ہوا کرتی تھی۔ وحی قرآنی کے نزول پر مذکورہ علامات نمایاں ہوتی تھیں اس لئے وحی قرآنی کو وحی جلی بھی کہا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں وحی غیر قرآنی کو وحی خفی کہا جاتا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں معانی کا القا ہوتا تھا اور دوسروں کو اس کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ البتہ وحی غیر قرآنی میں بھی بعض اوقات وحی قرآنی (وحی جلی) والی حالت آپ پر ظاہر ہوتی تھی مثلاً زنا کی حد کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خذوا عني، خذوا عني، جعل الله لهن سبيلا الى آخر الحديث (۵۲/ب)

مجھ سے علم حاصل کرو، مجھ سے علم حاصل کرو۔ بے شک اللہ نے (زنا کرنے والی عورتوں کے متعلق) راستہ اور حل بتادیا ہے۔

عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ پر وہی حالت طاری تھی جو وحی قرآنی کے نزول کے وقت ہوا کرتی تھی۔

تاسعاً وحی قرآنی کے برعکس وحی غیر قرآنی میں بعض شرائط کے تحت روایت باللفظ کی طرح روایت بالمعنیٰ کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ اس میں سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ متکلم کے کلام کا مفہوم نہ بدلنے پائے۔ وحی غیر قرآنی کا بڑا ذخیرہ رسول اللہ ﷺ کی سنت فعلی کی صورت میں طبقاتی وعملی تواتر اور تسلسل سے امت تک پہنچا ہے، سنت قولی کو بیان کرنے والی احادیث تعداد میں نسبتاً کم ہیں لہٰذا روایت بالمعنیٰ پر منکرین حدیث کا حدیث کو حجت نہ سمجھنے کا عذر محض عذر لنگ ہے۔ نیز سنت قولی پر مشتمل احادیث کے متون (Texts) میں اختلاف طُرق واسانید کے باوجود حیرت انگیز یک سانیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ سنت قولی میں بھی ممکنہ حد تک راویوں نے روایت باللفظ کا اہتمام کیا ہے۔ ذخیرہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی سنت قولی، فعلی اور تقریری کو بیان کرنے کے لئے راویوں کا سلسلہ یعنی سند بھی ملحق ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ تو یہ سند موجود تھی اور نہ ہی احادیث کے مذاکرے میں وہ سند کو پڑھا کرتے تھے۔ پس احادیث کی سند مُنزَّل من اللہ نہیں بل کہ متن کا مفہوم مُنزَّل من اللہ ہے۔ بسا اوقات رسول اللہ ﷺ کی ایک ہی سنت کو بیان کرنے والی احادیث بہت سی ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ کی سنت قولی انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) کو اسناد کے ساتھ بیان کرنے والی احادیث سات سو کے قریب ہیں۔ سنت وحدیث کے اس لطیف فرق کو نظر انداز کر کے منکرین حدیث اپنے آپ کو اور دوسروں کو

دھوکہ دیتے ہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں احادیث کہاں سے آگئیں۔

عاشراً رسول اللہ ﷺ نے وحی کی حفاظت کے طریقوں حفظ وسماع اور کتابت میں وحی قرآنی کا وحی غیر قرآنی کی نسبت زیادہ اہتمام فرمایا، کیوں کہ وحی قرآنی کی حیثیت متن کی اور وحی غیر قرآنی کی حیثیت شرح وتفسیر کی ہے اور متن کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔ نیز وحی قرآنی، وحیِ کتاب اور وحیِ غیر قرآنی وحیِ غیر کتاب ہے بالکل ایسے ہی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی توراتی کی حیثیت وحیِ کتاب کی اور وحیِ غیر توراتی کی حیثیت وحیِ غیر کتاب کی تھی۔ وحیِ کتاب کی کتابت مقصود بالذات ہوتی ہے جب کہ وحیِ غیر کتاب کی کتابت مقصود بالذات نہیں ہوتی بل کہ اس کی عملی مشق کرائی جاتی ہے اور اس کی کتابت متعلقہ احوال وظروف کے تابع ہوتی ہے۔ اس کی پوری وضاحت ہم ان شاء اللہ العزیز ''وحیِ کتاب اور وحیِ غیر کتاب'' کے عنوان کے تحت کریں گے۔

وحی قرآنی اور غیر قرآنی کو یک جا کیوں نہیں کیا گیا؟

وحی قرآنی اور غیر قرآنی کا فرق قدرے تفصیل سے مذکور ہو چکا۔ وحی قرآنی اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مجموعہ ہے جب کہ وحی غیر قرآنی رسول اللہ ﷺ کے اقوال ہی پر نہیں بل کہ افعال اور تقریرات پر بھی مشتمل ہے۔ افعال اور تقریرات کو اقوال کے ساتھ یک جا کرنا خلاف عقل اور محال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اقوال انسانی کلام ہیں گو ان کے معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جب کہ قرآن کلام اللہ ہے۔ اللہ کے کلام کے ساتھ انسانی کلام کو مخلوط کرنا نامناسب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے افعال اور تقریرات کو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے بیان کیا ہے۔ اقوال صحابہ وتابعین کو کلام اللہ کے ساتھ مخلوط کر دینا اور بھی زیادہ نامناسب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بہت سے افعال ایسے بھی ہیں جنہیں صحابہ کرام اور تابعین نے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا بل کہ یہ تعامل امت سے آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ آپ کی ان سنن فعلیہ کو کلام اللہ کے ساتھ مخلوط کرنا خلاف عقل اور محال ہے۔ افعال واقوال یک جا اور مخلوط کیسے ہو سکتے ہیں۔ وحی قرآنی کی حیثیت متن کی اور وحی غیر قرآنی کی حیثیت شرح کی ہے۔ متن اور شرح کی علت غائی یعنی غرض وغایت تو ایک ہی ہوتی ہے اور اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ شرح اپنے متن سے الگ نہیں ہوا کرتی۔ لیکن بہ اعتبار وجود متن اور شرح الگ الگ ہوتے ہیں۔ اگر شرح اور متن دونوں کو باہم ملا جلا دیا جائے تو متن اور شرح میں امتیاز کیسے ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پر زائد جو دینی جزئیات اور مسائل دین کے متعلق بیان فرمائے ہیں اگر انہیں قرآن کریم کے ساتھ یک جا کر دیا جاتا تو قرآن کا حجم بہت بڑھ

جاتا اس کی صدری حفاظت اور زبانی تلاوت مشکل ہو جاتی۔ منکر حدیث محمد اسلم جیراج پوری نے لکھا ہے:

> ہمارا ایمان ہے کہ قرآن تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کی ہدایت قیامت تک نافذ العمل رہے گی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ضابطۂ ہدایت میں ہر قسم کے مسائل و معاملات کے لئے جزئی اور فرعی احکام نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ (۵۲/ج)

منکرین حدیث کی تضاد بیانی پر سخت حیرت ہے کہ ایک طرف تو انہیں اللہ تعالیٰ سے یہ شکایت ہے کہ دینی مسائل کی جزئیات اور فروعی احکام سب کے سب قرآن میں ہی کیوں نہ جمع کر دیئے گئے۔ دوسری طرف وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن میں ہر طرح کے جزئی اور فرعی احکام نہیں دیئے جا سکتے تھے، لہٰذا یہ ذمے داری ہر دور کا حاکم اعلیٰ (بہ قول منکرین حدیث مرکز ملت) پوری کیا کرے گا۔ یہاں ہم ان سے پوچھنے میں حق بہ جانب ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال و افعال سے قرآن کریم کے مجمل احکام اور مشکل مضامین کی جو تشریح و توضیح فرمائی ہے وہ ان کے نزدیک دین میں شامل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو آپ نے قرآن پر عمل کس طرح کیا اور کرایا، اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ اگر دین میں شامل ہے تو آپ نے اپنے اقوال و افعال سے جو بیانِ قرآن امت کو دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو قرآن اور بیانِ قرآن دونوں ہی وحی ربانی پر مبنی ہیں اور بیانِ قرآن بھی قرآن کی طرح ناقابل تغیر و تبدل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی تکمیل صرف قرآن سے نہیں بل کہ قرآن اور بیانِ قرآن دونوں سے ہوتی ہے لہٰذا قرآن اور تکمیل دین کے بہانے سے بیان قرآن (سنت رسول) سے انکار اور فرار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے دینی اقوال و افعال یعنی آپ کا بیان قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور وحی ربانی پر مبنی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں کیوں فرمایا:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (۵۳/الف)

پھر اس (قرآن) کا بیان ہمارے ذمے ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جن پر یہ قرآن اترا ہے، موعودہ بیان قرآن دیا ہی نہیں تو کیا یہ بیانِ قرآن اس نے فرشتوں کو دیا تھا؟ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو موعودہ بیانِ قرآن عطا فرمایا ہی نہیں تو کیا اس نے اپنے وعدے کی کھلی خلاف ورزی کی؟۔ رسول اللہ ﷺ نے جو بیانِ قرآن صحابہ کرامؓ کے توسط سے امت کو دیا، اگر یہ وحی پر مبنی نہیں تو قرآن تو آپ کو صرف وحی ملکی (فرشتے کے ذریعے وحی) سے حاصل ہوا حال آں کہ نزول وحی کی ایک صورت فرشتہ بھیجے بغیر وحی یعنی وحی غیر ملکی کی بھی ہے تو یہ غیر ملکی

وحی جو آپ پر نازل ہوئی وہ فرشتوں کے لئے تھی؟ اگر آپ نے دینی مسائل اور جزئیات بغیر وحی کے خود متعین فرمالئے تھے تو کیا آپ معصوم عن الخطا ہیں یا نہیں؟ اگر آپ معصوم عن الخطا ہیں تو آپ کے متعین کردہ مسائل واحکام حکماً وحی میں ہی داخل ہوگئے۔ اگر آپ معصوم عن الخطا نہیں اور آپ کے متعین کردہ دینی مسائل واحکام وحی پر بھی مبنی نہیں تو قرآن پر زائد اور قرآن میں غیر مذکور ان احکام ومسائل میں خطا کا احتمال لازماً باقی رہے گا اور یہ اپنے صدور وظہور کے وقت سے ہی ظنی ہوئے۔ ظن کا تصور تو منکرین حدیث کے لئے سوہان روح ہے۔ ظن ان کے نزدیک دین ہو ہی نہیں سکتا تو آپ کے قرآن پر زائد یہ اقوال وافعال یعنی آپ کا بیانِ قرآن منکرین حدیث کے نزدیک دین کیسے ہوگیا؟ اگر آپ کا بیانِ قرآن ہی (معاذ اللہ) دین نہ ہوا تو بعد والے مراکز ملت کا بیان قرآن کیسے دین میں داخل سمجھا جائے گا؟

محمد اسلم جیراج پوری نے مزید لکھا ہے:

> دین کی ضروریات قرآن کی اتباع اور امامت وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں۔ امام کے ساتھ منتخب افراد ہوں گے جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب اقتضائے زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا۔ (۵۳/ ب)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ امام وقت اور منتخب افراد معصوم عن الخطا ہوں گے؟ اگر نہیں تو ان کے متعین کردہ مسائل واحکام میں خطا کا احتمال یقیناً باقی رہے گا اور یہ سراسر ظنی ہوں گے۔ لہٰذا منکرین حدیث کے اپنے ہی موقف کے مطابق یہ دین سے خارج ہوں گے۔ نیز جب یہ متعین کردہ مسائل نہ تو وحی ہوں گے اور نہ ہی قرآن کریم میں مذکور وموجود ہوں گے تو منکرین حدیث کو کس شیطانی وحی سے یہ معلوم ہوجائے گا کہ ان کے (مفروضہ) مرکز ملت کے متعین کردہ مسائل قرآن کے مطابق ہیں کیوں کہ یہ تو قرآن میں تفصیلاً موجود ہی نہیں ہوں گے یا سرے سے مذکور ہی نہیں ہوں گے ورنہ مشورے کے ذریعے انہیں متعین کرنے کی منکرین حدیث کو ضرورت ہی کیوں پیش آئے گی؟ اتنی موٹی سی بات کو بھی سمجھنے سے ان لوگوں کی عقلیں قاصر ہیں فیاللعجب!

ایسے ہی پیچیدہ سوالات سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے عیسائیوں نے اپنے پاپاؤں کو معصوم عن الخطا (Infallible) قرار دے رکھا ہے۔ یہاں دل چسپ اور نہایت ہی مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ عیسائیوں کی بائبل کے مضامین کے مطابق خدا اور اس کے نبی تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جھوٹے اور فریبی ہیں لیکن ان کا پوپ معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ کتاب حزقی ایل میں خدا کے متعلق یہ مضمون ہے:

> اور اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا۔ (۵۳/ ج)

یہ تو بائبل کے خدا کا حال ہوا۔ نبیوں کے متعلق کتاب یرمیاہ میں ہے:

اس لئے کہ چھوٹوں سے بڑوں تک سب کے سب لالچی ہیں اور نبی سے کاہن تک ہر ایک دغاباز ہے۔ (۵۴/الف)

یہ نبیوں کا حال ہوا لیکن ''چشم بددور'' عیسائیوں کا پوپ معصوم عن الخطا ہوا کرتا ہے۔ (۵۴/ب)

اگر منکرین حدیث کا پوپ (مفروضہ مرکز ملت) بھی اسی طرح کا معصوم عن الخطا ہے تو اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ عیسائیوں کا پوپ ''دینی'' مسائل اپنے ساتھیوں کے مشورے سے طے کرتا ہے۔ منکرین حدیث کا مرکز ملت بھی منتخب افراد کے مشورے سے ''دینی'' مسائل متعین فرمایا کرے گا، حال آں کہ کسی جماعت یا گروہ کی متفقہ رائے بھی غلط ہوسکتی ہے۔ کیا صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط کے ناقابل قبول ہونے پر صحابہ کرامؓ کی متفقہ رائے بھی اللہ کے نزدیک غلط نہیں تھی؟ یعنی اللہ اور رسول کے مقابلے اور معارضے میں لوگوں کی متفقہ رائے بھی قطعاً غلط ہوگی۔

منکرین حدیث ''قرآن کی مطابقت، قرآن کی مطابقت'' کی (جھوٹی) رٹ لگا کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو احکام وقضایا نافذ فرمائے، جو اوامر ونواہی امت کو دیئے اور جو مضامین ومسائل بیان فرمائے، وہ یا تو اللہ کی طرف سے عطا فرمودہ قرآن کریم کے مطابق ہیں یا اللہ کی طرف سے عطا فرمودہ موعودہ بیانِ قرآن کے مطابق ہیں، اور دونوں ہی ما انزل اللہ (وحی) میں داخل ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں صرف اتباع قرآن کا ہی نہیں بل کہ اس کے ساتھ اکثر وبیشتر مواقع پر اتباع وحی کا اور اتباع ما انزل اللہ کا بھی حکم دیا گیا ہے، تاکہ وحی اور ما انزل اللہ جیسے کلمات قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی پر محیط ہوں۔ مثلاً آپ سے متعدد مرتبہ یہ اعلان کرایا گیا:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ

میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

اور مثلاً سورۂ انعام میں ہے:

اِتَّبِعْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۵۴/ج)

تو اس کی اتباع کر جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔

اور مثلاً سورۂ یونس میں ہے:

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْكَ (۵۴/د)

اور تو اس کی اتباع کر جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

خوب غور کیجئے قرآن پر زائد جو جزئیات ومسائل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے وہ اگر قرآن کے مخالف نہیں تو مطابق بھی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ یہ تو قرآن میں سرے سے تفصیلاً یا صراحتاً مذکور ہی نہیں تو ان کی قرآن سے مطابقت کا سوال تو سرے سے خارج از بحث ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود ما انزل اللہ (جو اللہ نے اتارا) کے مطابق ہیں۔ پس یہ ما انزل اللہ وہی وحی غیر قرآنی ہے جس کا تبیین قرآن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے سورۂ قیامہ میں وعدہ فرمایا تھا اور یہ وہی وحی غیر قرآنی ہے جس کا بڑا حصہ وحی غیر ملکی پر مشتمل ہے۔ جس کا ذکر نزول وحی کی صورتوں کے حوالے سے سورۂ شوریٰ میں موجود ہے۔ قرآن تو آپ کو صرف وحی ملکی کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔

الغرض رسول اللہ ﷺ پر قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی نازل ہوئی۔ غیر قرآنی وحی سے اللہ تعالیٰ نے قرآنی وحی کی تبیین وتوضیح فرمائی ہے، لہٰذا قرآن کی طرح بیانِ قرآن بھی تا قیامت حجت اور ناقابل تغیر وتبدل ہے۔ دونوں طرح کی وحی کو یک جا اور مخلوط کرنا بعض صورتوں میں عقلاً ممکن اور بعض صورتوں میں محال اور ناممکن ہے۔ جن صورتوں میں عقلاً ممکن ہے تو ساتھ ہی اس لئے نامناسب ہے کہ وحی قرآنی کلام اللہ ہے اور وحی غیر قرآنی کے معانی تو اللہ کی طرف سے ہیں لیکن الفاظ وکلمات رسول اللہ ﷺ یعنی مخلوق کے ہیں خالق ومخلوق کے کلام کو یک جا کرنا نامناسب ہے۔ وحی قرآنی اور غیر قرآنی کو مخلوط نہ کرنے کی دیگر وجوہ بھی اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔

ج: منکرین حدیث کی بوکھلاہٹ

سورۂ شوریٰ میں کسی انسان پر نزول وحی کی جو تین صورتیں بیان کی گئی ہیں ان میں تیسری صورت یہ ہے:

اَوْیُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَایَشَآءُ (۵۵/الف)

یا کسی پیغام رساں (فرشتے) کو بھیجے تو وہ اس (اللہ) کے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔

یہاں بعض منکرین حدیث نے یہ فاسد تاویل کی ہے کہ آیت میں رسول (پیغام رساں) سے فرشتہ مراد نہیں بل کہ انسان رسول مراد ہے کہ اللہ انسانوں سے انسان رسول کے ذریعے کلام کرتا ہے، حال آں کہ آیت میں سب انسانوں سے کلام کرنے کی بات نہیں ہو رہی بل کہ یہ بتایا گیا ہے کہ انسانوں میں سے کسی ایک انسان سے اللہ تعالیٰ کلام کرے (اور اسے منصب نبوت پر فائز کرے) تو اس سے کلام کی اللہ تعالیٰ نے صرف تین صورتیں متعین فرمائی ہیں، جن میں تیسری صورت پیغام رساں فرشتے کے ذریعے وحی

نازل کرنے کی ہے۔ وحی کو پیغمبر پر نازل کرنے اور وحی کو سب لوگوں تک پہنچانے یعنی تنزیل وحی اور تبلیغ وحی دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں تنزیل وحی کی بات ہو رہی ہے، تبلیغ وحی کی نہیں۔ اگر سب لوگوں تک وحی پہنچانے کی بات ہوتی تو آیت کے شروع مَاکَانَ لِبَشَرٍ کی بہ جائے مَاکَانَ لِلنَّاسِ کے کلمات ہوتے اور مضمون یہ ہوتا کہ لوگوں تک اللہ کا کلام نہیں پہنچ سکتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان ہی میں سے کسی بشر پر بہ ذریعہ وحی یا پس پردہ کلام کر کے اسے لوگوں تک پہنچائے۔ نیز یہی مضمون مقصود ہوتا تو آیت میں ''ارسال رسول'' کے ذریعے وحی پہنچانے کے مقابلے میں ''الا وحیا'' کے کلمات لانا کلام میں بے جا تکرار کی وجہ سے قطعاً عبث ہوتا۔ اللہ اور اس کا کلام ہر عیب سے پاک ہے۔ پس یہاں ارسال رسول سے لامحالہ فرشتے کا بھیجنا مراد ہے اور اسے اس وحی کے مقابل لایا گیا ہے، جو پیغمبر پر فرشتے کے توسط کے بغیر نازل ہوتی ہے یعنی اللہ کی طرف سے پیغمبر کے دل میں جو بات بہ راہ راست ڈال دی جاتی ہے وہ بھی وحی ہے، جو وحی ملکی کے مقابلے میں وحی غیر ملکی ہے۔ چناں چہ اس آیت کے فوراً بعد اگلی آیت میں لوگوں کو نہیں بل کہ صرف رسول ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَكَذَالِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (۵۵/ب)

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح (وحی کی تینوں صورتوں) کی وحی کی ہے۔

یہاں روح سے فرشتہ مراد نہیں کیوں کہ فرشتے کو پیغمبر پر وحی نہیں کیا جاتا بل کہ اسے وحی دے کر پیغمبر کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں ہوا ہے۔ پس منکرین حدیث کی ایسی تاویلات لغو اور فاسد ہیں اور سیاق کلام سے بھی ان کی بھرپور نفی ہو رہی ہے۔ ایسی تاویلات فاسدہ سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر قرآنی وحی کے علاوہ اور کچھ نازل نہیں ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے پہلے بھی فرعون سے کش مکش کے زمانے میں سال ہا سال تک غیر توراتی وحی کا نزول ہوتا رہا ہے۔ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے ان سے پس پردہ بہ راہ راست بھی کلام فرمایا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراتی وحی کے علاوہ غیر توراتی وحی کا بھی نزول بہ کثرت ہوا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی بھی بہ کثرت نازل ہوئی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے پس پردہ بہ راہ راست کلام فرمایا ہے اسی طرح معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے بھی بہ راہ راست کلام فرمایا ہے۔ الغرض جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نزول وحی کی تینوں صورتوں سے شرف

یاب ہوئے ہیں تو یہ شرف اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھی عطا فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں رسول کا لفظ فرشتوں اور انسانوں دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ حج میں ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (۵۵/ج)

اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چھانٹ لیتا ہے۔

سورۂ شوریٰ کی زیر بحث آیت میں بھی ارسال رسول سے فرشتے کا بھیجنا مراد ہے اور اگلے پچھلے تمام معتبر مفسرین نے یہی معنی بیان کیا ہے جس کی سیاق کلام سے بھی سو فی صد تائید وتوثیق ہوتی ہے۔

د: وحی ملکی اور غیر ملکی کی مختلف اقسام

سورۂ شوریٰ کی متعلقہ آیت سے واضح ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام پر فرشتے کے ذریعے اور فرشتہ بھیجے بغیر دنوں طرح وحی کا نزول ہوتا رہا ہے۔

وحی مَلَکی

فرشتے کے ذریعے نزول وحی کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ فرشتہ جبرئیل اپنی اصلی حالت میں رہ کر ہی نبی کے دل پر وحی نازل کرے۔ سورۂ شعرا میں ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○

اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر تیرے دل پر اترا ہے، تاکہ تو آگاہ کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی اس وحی کو ''وحی تصلصلی'' کہا جاتا ہے کیوں کہ بہ مطابق روایت صحیح بخاری اس میں آپ کو اس طرح کی آواز آیا کرتی تھی جیسے گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے۔ (۵۶/الف) حدیث میں صرف اتنا ہی مذکور ہے اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کی وحی کو گھنٹیوں کی آواز سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے۔ بعض اہل علم کا یہ خیال ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز میں تسلسل ہوتا ہے اور جب گھنٹی مسلسل بج رہی ہو تو اس کی آواز کی سمت کو متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح اس وحی میں آپ کو ہر سمت سے آواز آتی محسوس ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ چوں کہ جہت اور مکان سے منزہ ہے اس لئے کلام الٰہی میں آواز کسی ایک سمت سے نہیں آتی بل کہ ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ (۵۶/ب) یہ وحی آپ پر نہایت سخت ہوتی تھی اور سخت سردی کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی مبارک

پسینہ سے شرابور ہو جاتی تھی۔ (۵۶/ج) وحی کی اس حالت میں اگر آپ کسی جانور پر سوار ہوتے تو وہ بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنا سر مبارک حضرت زیدؓ بن ثابت کے زانو پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وحی تصلصلی کا نزول ہوا جس سے حضرت زیدؓ نے اتنا بوجھ محسوس کیا کہ گویا ان کی ران ٹوٹ جائے گی۔ (۵۷/الف) چوں کہ اس وحی کے آپ کے جسم مبارک پر اثرات کا مشاہدہ دوسروں کو بھی ہوتا تھا اس لئے اسے وحی جلی بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم اسی وحی جلی وحی تصلصلی کے ذریعے نازل ہوا ہے۔ لہٰذا وحی کی اس قسم کو قرآنی وحی اور دیگر تمام اقسام کی وحی کو غیر قرآنی وحی کہا جا سکتا ہے۔

فرشتے کے ذریعے نزول وحی کی دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ سامنے آکر پیغام پہنچائے، خواہ وہ انسانی شکل وصورت میں یا اپنی اصلی حالت میں آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ سورۂ نجم میں ہے:

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَايَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى۝ (۵۷/ب)

کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو یہ (پیغمبر) دیکھتا ہے؟ بے شک اس نے اس (جبرئیلؑ) کو ایک مرتبہ اور بھی (معراج کے موقع پر) سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا ہے۔

انسانی شکل میں حضرت جبرئیلؑ علیہ السلام عموماً مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے جو نہایت ہی حسین وجمیل تھے۔ بعض مواقع پر دوسری (انسانی) صورتوں میں بھی آنا ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دنیوی حیات طیبہ کے آخری زمانے میں بہ روایت حضرت عمرؓ وغیرہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بالکل ایک اجنبی گنوار کی صورت میں تشریف لائے تھے۔ (۵۷/ج) وحی کی اس صورت کو ''وحی تمثلی'' کہا جاتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل وصورت میں آپ کے پاس تشریف لاتے تھے۔ وحی تصلصلی کی نسبت وحی تمثلی میں آپ کو کوئی گرانی اور تکلیف محسوس نہیں ہوا کرتی تھی۔ صحیح ابوعوانہ کی روایت کے مطابق آپ نے وحی تمثلی کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَهُوَ اَهْوَنُهٗ عَلَیَّ (۵۸/الف)

اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے آسان ہوتی ہے۔

فرشتے کے ذریعے نزول وحی کی تیسری صورت یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی شکل میں سامنے آئے بغیر کوئی بات نبی کے دل میں ڈال دے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ جِبْرَئِیل علیه السلام القیٰ فی روعی ان احدا منکم لن یخرج من الدنیا

حتیٰ یتکفل رزقه (۵۸/ب)

جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص اپنا رزق پورا کئے بغیر دنیا سے ہرگز نہیں جائے گا۔

وحی کی اس صورت کو ''وحی رُوعی'' کہا جاتا ہے۔

وحی غیر مَلَکی

فرشتے کے بغیر نازل ہونے والی وحی کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہ راہ راست پس پردہ اپنے نبی سے ہم کلام ہو۔ اس وحی میں نبی کو آواز سنائی دیتی ہے جو مخلوق کی آواز سے بالکل الگ، منفرد اور عجیب وغریب حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس کا ادراک عقل کے ذریعے ممکن نہیں اور اس کا تجربہ چوں کہ صرف متعلقہ حضرات انبیا علیہم السلام کو ہی ہوتا ہے، لہٰذا اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو صرف وہی پہچانتے ہیں۔ وحی کی یہ قسم ''پس پردہ کلام الٰہی'' کہلاتی ہے اور وحی کی تمام اقسام میں سب سے افضل و برتر ہے۔ اسی لئے اس غیر ملکی وحی کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ کی متعلقہ آیت میں وحی کی دوسری اقسام سے ممتاز کرنے کے لئے الگ بیان فرمایا ہے۔ یوں کسی پیغمبر پر نزول وحی کی تین صورتوں کو اللہ تعالیٰ نے متعین فرمایا ہے، حال آں کہ بنیادی طور پر وحی کی دو ہی صورتیں، وحی ملکی اور وحی غیر ملکی ہیں۔ وحی غیر ملکی کی یہ قسم یعنی ''پس پردہ کلام الٰہی'' سب اقسام سے اعلیٰ اور برتر ہے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاص مقام و مرتبہ کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نسا میں فرمایا ہے:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ○ (۵۸/ج)

اور اللہ نے موسیٰ سے خوب کلام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ پس پردہ کلام صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذرؓ سے مروی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ اور ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوا ہے۔ (۵۹/الف) بعض اہل علم نے ''پس پردہ کلام الٰہی'' کی صورت میں وحی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات سے قرار دیا ہے، لیکن اس سے وحی غیر قرآنی کا ثبوت خلل پذیر نہیں ہوتا۔ ہم وحی غیر قرآنی کے اثبات میں سابقہ مضامین میں واقعاتی شواہد اور متعلقہ تاریخی جزئیات کا انبار لگا چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لاتعداد غیبی خبریں ایسی بھی دی ہیں جو قرآن کریم میں سرے سے مذکور ہی نہیں۔ قرآن کریم میں نماز کو اللہ کا ذکر قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر اور اس کی بڑائی اسی طریقے سے کرو

جیسے اس نے تمہیں ہدایت کی ہے لیکن نماز کے اذکار، رکوع وسجود میں تسبیحات کے کلمات اور اسی طرح تشہد کے کلمات وغیرہ قرآنی وحی سے نہیں بل کہ غیر قرآنی وحی سے معلوم ہوئے۔ بیت المقدس کا قبلہ اول ہونا بھی غیر قرآنی وحی سے متعین ہوا وغیر۔ تاہم اکثر علما کے نزدیک معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو پانچ نمازوں کے فرض ہونے اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات کا علم اسی پس پردہ کلام الٰہی کی وحی میں ہوا۔ سورۂ نجم میں معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کی عظمت کا اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَااَوْحٰی (۵۹/ب)

تو اس (اللہ) نے اپنے بندے پر وحی بھیجی جو بھی بھیجی۔

اس آیت میں اکثر اہل علم نے فعل ''اوحی'' کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اہل حدیث مکتبۂ فکر کے دور حاضر کے مشہور عالم دین مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ نے اس وحی کو ورائے حجاب یعنی پس پردہ کلام کے ذریعے وحی قرار دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے ''یہ وحی کیا کچھ تھی قرآن میں کہیں مذکور نہیں'' (۵۹/ج) اس سے معلوم ہوا کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ پر قرآنی اور غیر قرآنی دونوں طرح کی وحی نازل ہوئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو وحی مَلَکی تغلیباً کہا جاتا ہے، کیوں کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات (خواتیم بقرہ) آپ کو پس پردہ کلام الٰہی سے یعنی غیر مَلَکی وحی سے حاصل ہوئیں۔ اگر معراج کے موقع پر آپ کو وحی حضرت جبرئیلؑ کے توسط سے ہی ملی ہو تو قرآنی وحی ساری کی ساری وحی مَلَکی ہے۔ تاہم اہل علم کے اس اختلاف سے غیر قرآنی وحی کی نفی نہیں ہوتی اور یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف قرآن ہی بہ ذریعہ وحی نازل ہوا ہے۔ اس کی مزید وضاحت ''وحیِ کتاب وغیر کتاب'' کے عنوان کے تحت مباحث میں ہوگی۔

غیر مَلَکی وحی کی دوسری قسم ''وحی قلبی بہ صورت معانی'' ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہ راہ راست نبی کے دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے اور ساتھ ہی نبی کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ غیر قرآنی وحی کا بہت بڑا حصہ اسی قسم کی وحی سے تعلق رکھتا ہے۔

غیر مَلَکی وحی کی تیسری قسم وحی منامی ہے کہ نبی کو کوئی بات یا کوئی چیز خواب میں بتائی اور دکھائی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہا ہوں۔ بیٹے کو خواب بتایا تو انہوں نے کہا کہ اے ابا جان! جو حکم آپ کو دیا گیا ہے آپ اس کی تعمیل فرمائیں۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ دونوں باپ بیٹا اللہ کے حکم کی تعمیل

پر راضی ہو گئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو پیشانی کے بل ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے ایک اور ذبیحہ (مینڈھا) عطا فرمایا (۶۰/الف) اسے حضرت ابراہیمؑ نے ذبح فرمایا۔ پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک ذریعہ اور عید الاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔ اور مثلاً رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے پہلے خواب دیکھا ہے اور اپنے اصحاب کو بشارت دی کہ تم ضرور بالضرور پورے امن وامان کے ساتھ بلاخوف وخطر (بہ غرض عمرہ) مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ (۶۰/ب) اور مثلاً فرشتہ جبرئیل کے ذریعہ قرآنی وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو سچے خواب نظر آنے لگے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

اول مابدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لایریٰ رؤیا الا جاء ت مثل فلق الصبح (۶۰/ج)

رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا نیند کی حالت میں سچے خوابوں سے ہوئی۔ جو خواب بھی آپ دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا تھا۔

وحی منامی کے مقابلے میں وحی ملکی اور غیر ملکی کی تمام اقسام کو وحی یقظانی (بیداری کی حالت میں وحی) کا نام دیا جا سکتا ہے۔

وحی غیر ملکی کی چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض شاذ ونادر صورتوں میں شدید ضرورت کے موقع پر وحی کا انتظار کئے بغیر دینی امور میں نبی اجتہاد، استنباط اور قیاس سے کام لے اور اللہ تعالیٰ اس پر خاموش رہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے اس سکوت نے نبی کے اس اجتہاد کے صحیح ہونے کی تصدیق وتصویب فرمادی۔ اسے وحی سکوتی یا وحی تقریری کہا جا سکتا ہے اور اسے ''وحی حکمی'' کا نام بھی دیا جا سکتا ہے کہ کسی دینی مسئلے میں نبی پر حقیقتاً وحی نازل نہ بھی ہوئی ہو اور نبی کے اجتہاد واستنباط پر اللہ تعالیٰ نے اپنے سکوت سے مہر تصدیق وتصویب ثبت فرمادی ہو، تو ایسے دینی امور بھی حکماً وحی میں ہی داخل ہیں۔ اس کے مقابلے میں وحی ملکی اور غیر ملکی کی دیگر تمام اقسام کو ''وحی حقیقی'' کہا جا سکتا ہے۔ وحی غیر ملکی کی سب اور وحی ملکی کی بعض صورتیں غیر قرآنی وحی ہیں۔ غیر قرآنی وحی کو وحی خفی بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کا بہت بڑا حصہ بہ صورت معانی وحی قلبی پر مشتمل ہے۔ وحی کا لغوی معنی اشارۂ سریعہ (جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا) اور دل میں کوئی بات ڈال دینا ہے۔ اس طرح کی وحی کے چوں کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک پر کوئی اثرات لوگوں کو دکھائی نہیں دیتے تھے اس لئے قرآنی وحی کو وحی جلی اور غیر قرآنی وحی کو وحی خفی کہا جاتا ہے۔

جو وحی اللہ تعالیٰ یا جبرئیلؑ کے اقوال کی صورت میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اسے وحی قولی کہا جاسکتا ہے، اور جو وحی آپ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے فعل سے ظاہر ہوئی، مثلاً جبرائیلؑ نے آپ کو وضو اور نماز کی عملاً تعلیم دی تو اسے وحی فعلی کہا جاسکتا ہے اور آپ کے جس اجتہاد و استنباط پر اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا اسے وحی سکوتی یا وحی تقریری کہا جاسکتا ہے اور وحی حقیقی کے مقابلے میں اسے وحی حکمی بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

نزول وحی کی تمام صورتوں کو سورۂ شوریٰ کی متعلقہ آیت کے شروع میں کلمات مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ کے ذریعے کلام اللہ ہی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم تو حقیقتاً کلام اللہ ہے، کیوں کہ اس کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ غیر قرآنی وحی کی اکثر صورتوں میں صرف معانی ومفاہیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اس لئے قرآنی وحی سے امتیاز کے لئے اسے حقیقتاً کلام اللہ نہیں کہا جاسکتا، لیکن مجازاً یہ بھی کلام اللہ میں ہی داخل ہے جیسا کہ سورۂ شوریٰ کی متعلقہ آیت سے اس کی تصدیق وتائید بھی ہورہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دین کے متعلق نبی کی ہر بات اور نبی کا ہر فعل اللہ کی وحی پر ہی مبنی ہوتا ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ زحلقوم عبداللہ بود

یعنی اس پیغمبر کا کہا ہوا (دراصل) اللہ ہی کا کہا ہوا ہے اگرچہ یہ اللہ کے بندے (پیغمبر) کے حلق سے نکل رہا ہوتا ہے۔ وحی قرآنی کو وحی توراتی کی طرح وحی کتاب اور وحی غیر قرآنی کو وحی غیر توراتی کی طرح وحی غیر کتاب بھی کہا جاسکتا ہے۔ وحی قرآنی کی تلاوت بہ جائے خود مقصود ومطلوب ہے اس لئے اسے وحی متلو اور وحی غیر قرآنی کے بڑے حصے کی تلاوت بہ جائے خود مقصود نہیں بل کہ معانی ومفاہیم اصل مقصود ہیں، اس لئے اسے وحی غیر متلو کا نام دیا جاتا ہے۔

مختلف حیثیتوں سے وحی کی جو متعدد اقسام اوپر بیان کی گئی ہیں وہ اصطلاحی اور شرعی مفہوم کے اعتبار سے ہیں۔ اور یہ اصطلاحی معنیٰ اس قدر مشہور ومعروف ہوگیا ہے کہ اب اس کا استعمال انبیا علیہم السلام کے سوا کسی اور کے لئے درست نہیں۔ وحی اور ایحاء دونوں ہم معنیٰ ہیں اور ان کا لغوی مفہوم ہے ''اشارۂ سریعہ'' یعنی جلدی سے کوئی اشارہ کردینا، خواہ یہ اشارہ کسی بھی طرح کا ہو۔ اسی معنیٰ میں سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے باہر نکلے:

فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (۱۹/الف)

تو ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح وشام تسبیح کرتے رہو۔

اشارے سے مراد یہی ہوتی ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے تو لغوی اعتبار سے وحی اور ایحا کے کلمات القاء فی القلب (دل میں کسی بات کے ڈالنے) کے لئے بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا (۶۱/ب)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنایا کر۔

اس طرح کی لغوی وحی کو وحی جبلی یا وحی فطری کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی فطرت اور جبلت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ پہاڑوں اور اونچی جگہوں پر اپنا چھتہ بناتی ہے۔ بعض لوگوں کے دل میں ایسی باتیں آتی ہیں جو عام لوگوں کے دلوں میں نہیں آتیں اور وہ عجیب وغریب ایجادات لوگوں کے سامنے لاتے ہیں، اسے ''وحی ایجادی'' کہا جاسکتا ہے۔ شیاطین لوگوں کے دلوں میں جو وسوسے اور فتنے برپا کرنے والی باتیں ڈالتے ہیں ان کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور اسے ''وحی شیطانی'' کہا جاتا ہے مثلاً سورۂ انعام میں ہے:

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰٓـئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ (۶۱/ج)

اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے کج بحثی کریں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو جو اطلاع دی جاتی ہے اس کے لئے بھی ''ایحاء'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ انفال میں ہے:

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ (۶۲/الف)

جب تیرا رب فرشتوں کو اطلاع دیتا تھا کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دل میں جو باتیں ڈالتا ہے خواہ وہ نبی نہ ہوں تو اس پر بھی ''ایحاء'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ قصص میں ہے:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ (۶۲/ب)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تو اس (موسیٰ) کو دودھ پلا۔

وحی شیطانی کے مقابلے میں اس وحی لغوی کو ''وحی عرفانی'' کہا جاسکتا ہے۔ اگر وحی عرفانی کسی نبی کو حاصل ہو تو یہ اصطلاحی وحی یا شرعی وحی کہلاتی ہے۔ اگر یہ کسی غیر نبی مگر نیک بندے کو حاصل ہو تو اسے

''الہام'' کہا جاتا ہے۔ نبی پر نازل ہونے والی وحی کا صحیح ہونا ہر طرح کے شک وشبہہ سے بالاتر ہوتا ہے، یعنی اس کی صحت یقینی اور قطعی ہوتی ہے۔ ولی کے الہام میں خطا کا احتمال ہوتا ہے اس لئے ولی کے الہام کو قرآن وسنت پر لوٹانا ضروری ہے۔ الہام اور کشف میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ کشف میں کوئی چیز یا واقعہ آنکھوں سے نظر آجاتا ہے اور الہام میں کوئی بات صرف دل میں ڈال دی جاتی ہے، یعنی کشف کا تعلق حسیات سے اور الہام کا تعلق وجدانیات سے ہے۔ (۶۲/ ج) قرآن کریم میں وحی کا لفظ صرف حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے اور ایحاء کا لفظ نبی اور غیر نبی سب کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لئے وحی کا لفظ جب مطلقاً استعمال ہو تو یہ ہمیشہ وحی شرعی یا وحی اصطلاحی (یعنی انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص وحی) پر ہی استعمال ہوتا ہے۔ اگر اسے لغوی معنٰی میں استعمال کرنا ہو تو ہمیشہ ایسی قید ساتھ لگانی چاہئے جس سے یہ وحی شرعی واصطلاحی سے ممتاز ہو جائے۔ مثلاً وحی جبلی، وحی عرفانی، وحی شیطانی اور وحی ایجادی میں یہ لفظ اپنے لغوی معنٰی میں مستعمل ہے۔

۳۔ بہ لحاظ کتابت وحی کی اقسام

الف: وحیِ کتاب وغیر کتاب

ہم نام اور پرویزی منکرین حدیث کے امام مسٹر غلام احمد پرویز نے لکھا ہے:

> اگر خود ذات رسالت مآب ﷺ متنبی قادیان غلام احمد کے اپنے تمام احکام وقضایا کو قیامت تک کے لئے واجب التعمیل خیال فرماتے تو آپ کے لئے ضروری تھا کہ جس طرح قرآن کریم کو محفوظ ترین شکل میں امت کے سپرد کیا تھا اسی طرح اپنے احکام وارشادات کا ایک مستند ومصدق مجموعہ امت کے حوالے کر جاتے۔ (۶۳/ الف)

انکارِ حدیث کے لئے مذکورہ بالا استدلال درست ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو یہی بات حق ہے۔ اگر اسے درست قرار دیا جائے تو یہ قول مندرجہ ذیل توضیحات کی بنا پر یک سر باطل اور مردود ہے:

۱۔ نبی کے لئے کیا ضروری ہے اور کیا نہیں، اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہ کہ (معاذ اللہ) لوگوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ نبی کے فرائض اور ذمے داریوں کا تعین کرتے پھریں۔ ایسا سمجھنا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیا کی سخت توہین ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے احکام وقضایا، اقوال وافعال جو قرآن کریم کے مجمل احکام اور مشکل مضامین کی ہی تشریح وتوضیح میں ہیں، وہ بھی وحی میں داخل ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے علاوہ بھی یقیناً وحی کا نزول ہوا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر بھی قرآن

کریم کے علاوہ یقیناً وحی کا نزول ہوا ہے۔ قرآن کریم میں بارہا یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور آل فرعون کے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ مثلاً سورۂ مزمل میں ہے:

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۶۳/ب)

بے شک ہم نے تمہاری طرف تم پر گواہی دینے والا رسول بھیجا ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

نبی اور رسول ہوتا ہی وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہو۔ فرعون کے ساتھ شدید کش مکش کی سال ہا سال کی مدت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی رہی۔ یہ وحی غیر کتاب تھی کیوں کہ آپ پر وحیِ کتاب (تورات) کا نزول تو فرعون کے غرق ہونے کے بعد ہوا تھا۔ یہ وحیِ غیر کتاب بھی لوگوں پر حجت (واجب التسلیم) تھی ورنہ فرعونیوں کو غرق نہ کیا جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ظہور کوہ طور پر ہوا جب اللہ تعالیٰ نے ان سے پس پردہ کلام فرمایا۔ اس موقع پر دیگر باتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا:

وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ○ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ ○ (۶۳/ج)

اور میں نے تجھے منتخب کرلیا ہے سو جو تجھے وحی کیا جارہا ہے تو اسے خوب غور سے سُن۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ۔

دیکھئے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے کلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی قرار دیا ہے۔ یہ یقیناً وحیِ غیر کتاب تھی کیوں کہ وحیِ کتاب (تورات) کا تو اس وقت دنیا میں نام ونشان تک نہیں تھا یہ تو آپ کو سال ہا سال کے بعد عطا فرمائی گئی تھی۔ اس وحیِ غیر کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توحید اور اقامت صلوٰۃ کی تعلیم دی گئی۔ وحیِ غیر کتاب کے ذریعے ملنے والی یہ تعلیم ناقابل تغیر وتبدل تھی اور اسی تعلیم کی آپ کی قوم بنی اسرائیل بھی مکلف وپابند تھی۔ وحی خواہ وحیِ کتاب ہو یا وحیِ غیر کتاب ہو اس میں تغیر وتبدل اور ترمیم وتنسیخ کی مخلوق ہرگز مجاز نہیں ورنہ بعثت رسول اور اس پر وحی کا نزول (معاذ اللہ) سراسر عبث ٹھہرتا ہے۔ منکرین حدیث کا یہ خیال قطعاً لغو اور لچر ہے کہ نبی پر نازل ہونے والی وحی لکھی ہوئی نہ ہو تو اس میں بعد کے لوگوں کو تصرف اور تغیر وتبدل کا حق حاصل ہے۔

۲۔ ہر نبی صاحبِ وحی ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا صاحبِ کتاب ہونا ضروری نہیں۔ بہ الفاظ دیگر وحیِ غیر کتاب ہر نبی پر نازل ہوتی رہی ہے خواہ وہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی اس لئے وہ صاحب کتاب نبی تھے لیکن ان پر تورات کے علاوہ بھی یقیناً ایسی وحی کا نزول ہوتا رہا جیسے وحیِ غیر کتاب کہا جائے گا۔ وحیِ غیر کتاب کا مکتوبی ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ اس کے باوجود یہ وحی حجت (واجب التسلیم) ہوتی ہے۔ پس جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحیِ کتاب یعنی تورات کے علاوہ وحیِ غیر کتاب بھی نازل ہوتی رہی اسی طرح خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر وحیِ کتاب (قرآن کریم) کے علاوہ وحیِ غیر کتاب کا بھی نزول ہوتا رہا۔ اسی وحیِ غیر کتاب کو غیر قرآنی وحی، وحیِ سنت، وحیِ خفی، وحیِ غیر متلو کہا جاتا ہے، اور اس کی روایت حدیث کہلاتی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحیِ کتاب (تورات) کے ساتھ وحیِ غیر کتاب بھی حجت تھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحیِ کتاب (قرآن کریم) کے ساتھ وحیِ غیر کتاب (وحیِ سنت) بھی لوگوں پر حجت ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ آپ پر نازل ہونے والی وحی صرف وحیِ کتاب یعنی قرآن کریم میں ہی محصور و محدود نہیں ہے، دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی پر نازل ہونے والی وحیِ غیر کتاب لکھی گئی ہو، خواہ اس کے لکھنے کا حکم دیا گیا ہو یا کسی موقع پر بعض صورتوں میں (مثلاً وحیِ کتاب سے امتیاز کے لئے) اس کے لکھنے سے منع کیا گیا ہو تو بھی اس کا حجت ہونا قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

وَقُلْنَا يٰادَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (۶۴/الف)

اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو۔

يٰادَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ (۶۴/ب)

اے آدم! تو ان (فرشتوں) کو ان چیزوں کے نام بتا دے۔

وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَا اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ (۶۴/ج)

اور ان (آدم و حوا) کو ان کے رب نے پکار کر کہا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت (کے قریب جانے) سے منع نہیں کیا تھا؟

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (۶۵/الف)

تو آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لئے تو اس نے اس پر رحمت سے توجہ فرمائی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (۶۵/ب)

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک تیری قوم میں سے (اب مزید کوئی اور شخص) ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر جو (پہلے ہی) ایمان لا چکا (سو لا چکا)۔

یہ سب کچھ وحی ہے جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے لئے واجب التسلیم تھی لیکن یہ وحی غیر کتاب ہے جو لکھی نہیں گئی۔ حضرت نوحؑ کو اللہ تعالیٰ نے بہ ذریعہ وحی کشتی بنانے اور طوفان سے بچنے کے لئے اپنے ساتھیوں سمیت اس میں سوار ہونے کے متعلق ہدایات دیں۔ بیٹے کے متعلق فرمایا کہ وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وغیرہ۔ (۶۵/ج) یہ سب کلام وحی تو ہے مگر کتاب نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے دیکھ رہا ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کسی پس وپیش کے بغیر امر خداوندی کی تعمیل کریں (۶۶/الف) یہ خواب وحی تو تھا لیکن اسے کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت اور قوم لوط کی ہلاکت کی خبر بہ ذریعہ ملائکہ دی گئی۔ (۶۶/ب) یہ وحی تو تھی مگر اسے کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت لوط علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں (۶۶/ج) یہ وحی تھی لیکن کتاب نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں پھینکا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی فرمائی کہ تو (بعد میں) انہیں ان کی غلطی پر ضرور متنبہ کرے گا، چناں چہ ایک وقت آیا جب اسی وحی کے مطابق آپ نے بھائیوں سے کہا کہ تمہیں کچھ پتہ بھی ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی (بنیامین) کے ساتھ کیا کیا تھا؟ (۶۷/الف) یہ وحی تو تھی لیکن اسے کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ تو اپنا عصا زمین پر پھینک دے (۶۷/ب) یہ وحی تو ہے لیکن اسے کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ جب بنی اسرائیل کا مصر میں قیام تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا۔ (۶۷/ج) یہ وحی تو ہے لیکن کتاب نہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قوم نے اس پر جو سوالات کئے ان کے جواب میں ہر مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ اللہ یوں یوں فرماتا ہے۔ (۶۸/الف) اگر اللہ تعالیٰ کے یہ اقوال تورات میں پہلے سے موجود ہوتے تو سوال وجواب کی نوبت ہی پیش نہ آتی۔ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا تیرا رب آسمان سے ہم پر خواں اتار سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ پھر ان کی درخواست اور اصرار پر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی اس سلسلے میں سورۂ مائدہ میں ہے:

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ (۶۸/ب)

اللہ نے کہا کہ میں تم پر یہ خوان نازل کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول انجیل میں ہوتا تو سوال وجواب کی حاجت نہ ہوتی۔ پس ہر وحی کا کتاب اللہ میں ہی ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک زمانے میں جب طالوت کو بنی اسرائیل پر بادشاہ مقرر کیا گیا تو اس وقت کے نبی (جن کا نام تورات میں سموئیلؑ لکھا ہے) نے یہ فرمایا کہ اسے اللہ نے تم پر بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ وحی تو ہے لیکن اسے کتاب نہیں کہا جاسکتا۔ اگر یہ وحی کسی کتاب میں ہوتی تو بنی اسرائیل کا اپنے نبی سے اس سلسلے میں مکالمہ ہی کیوں ہوتا؟ (۶۸/ج) حضرت زکریا علیہ السلام کو بہ ذریعہ ملائکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی۔ (۶۹/الف) یہ وحی تو ہے مگر کتاب نہیں۔ قرآن کریم کے برعکس باقی آسمانی کتب تورات، انجیل اور زبور ایک ہی مرتبہ نازل ہوئیں، قرآن کریم کی طرح بہ تدریج نازل نہیں ہوئیں لیکن ان کتابوں کے نزول سے پہلے اور بعد میں بھی حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت داؤد علیہم السلام پر برابر وحی نازل ہوتی رہی جسے کتاب نہیں کہا جاسکتا۔ پس وحی کا کتاب اللہ میں ہی منحصر ہونے کا دعویٰ ہرگز صحیح نہیں۔ لاتعداد انبیا علیہم السلام ایسے ہیں جن پر وحی نازل ہوتی رہی کیوں کہ نبی کہتے ہی اس کو ہیں جس پر وحی نازل ہو لیکن وہ صاحب کتاب نہیں تھے۔ مثلاً حضرت ہارون علیہ السلام صاحب کتاب نبی ہوتے تو انہیں اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو دو الگ الگ کتابیں ملتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاٰتَیْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِیْنَ (۶۹/ب)

اور ہم نے ان دونوں (موسیٰؑ اور ہارونؑ) کو روشن کتاب دی۔

یہ کتاب تورات تھی جس کے متعلق سورۂ مائدہ میں ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا (۶۹/ج)

بے شک ہم نے تورات اتاری، اس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اسی کے مطابق (اسرائیلی) انبیا جو (اپنے رب کے) فرماں بردار تھے، یہودیوں کے لئے فیصلے کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے بے شمار انبیائے بنی اسرائیل اسی

تورات کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ اگر انہیں الگ الگ کتابیں ملتیں تو وہ اپنی اپنی کتاب کے ذریعے احکام جاری کیا کرتے۔ پس حقیقتاً صاحب کتاب نبی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے لیکن اسی کتاب اور اسی موسوی شریعت پر عمل کرنے اور اسے جاری اور نافذ کرنے کے بعد کے انبیائے بنی اسرائیل بھی پابند تھے اس لئے ہر نبی کو حقیقتاً تو نہیں لیکن مجازاً صاحب کتاب کہا جاسکتا ہے۔ چناں چہ سورۂ بقرہ میں ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (۷۰/الف)

لوگ ایک ہی طریقے (سچے دین) پر تھے (پھر جب انہوں نے باہم اختلافات پیدا کرلئے) تو اللہ نے (فرماں برداروں) کو خوش خبری سنانے والے اور (نافرمانوں کو) ڈرانے والے نبیوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی بھی صاحب کتاب رسول اور نبی کی کتاب اور شریعت کی پیروی کرنے والے دیگر انبیا علیہم السلام کو بھی مجازاً صاحب کتاب ہی سمجھا جائے گا خواہ وان پر فرداً فرداً کسی کتاب کا نزول نہ ہوا ہو۔ مثلاً تورات صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (۷۰/ب)

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے کی چیز عطا فرمائی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

سورۂ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو تورات کی تختیاں کوہ طور پر عطا کی گئی تھیں اور وہ قوم پر اپنے پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے۔ (۷۰/ج) لیکن سورۂ الصافات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون دونوں کو روشن کتاب دی تھی۔ (۷۱/الف) یعنی حضرت ہارونؑ صاحب وحی ہونے کے باوجود اگرچہ صاحب کتاب نہیں تھے، لیکن یہی تورات ان کے لئے بھی کتاب تھی جس پر وہ عمل کرنے اور کرانے کے پابند تھے، اس لئے ان کو بھی مجازاً صاحب کتاب کہا گیا۔ قرآن کریم صرف صاحب کتاب سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا لیکن چوں کہ پوری امت کتاب پر عمل کرنے اور امت کا ہر فرد اپنے اپنے دائرہ اختیار میں اس پر عمل کرانے کا پابند ہے لہٰذا اس کے نزول کی نسبت بعض مواقع پر پوری امت کی طرف کردی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ انبیا میں ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۷۱/ب)

بے شک ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لئے ذکر ہے، کیا تم پھر

بھی عقل نہیں رکھتے۔

دیکھئے یہاں سب افرادِ امت کی طرف کتاب اتارنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر فرد پر قرآن نازل ہوا ہے۔ چوں کہ موارد وحی صرف رسول اللہ ﷺ ہیں اور قرآن ان ہی پر اترا ہے، اس لئے بسا اوقات نزول قرآن کی نسبت صرف آپ کی طرف بھی کی گئی ہے، مثلاً سورۂ مائدہ میں ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ (۱۷/ج)

اور ہم نے حق کے ساتھ تیری طرف یہ کتاب اتاری ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

پس وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ (اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اتاری) کا یہ مطلب نہیں کہ ہر نبی فرداً فرداً واقعی صاحب کتاب تھا۔ بل کہ جو نبی حقیقتاً صاحب کتاب نہیں تھے انہیں بھی محض مجازاً صاحب کتاب کہا گیا ہے۔ قرآن کریم عام لسانی محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے تاکہ اسے سمجھنے میں لوگوں کے لئے آسانی ہو۔ عام بول چال میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جہیز بارات کے ساتھ بھیج دیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بارات میں شامل لوگوں کو فرداً فرداً جہیز کا سامان دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ توپ خانہ فوج کے ساتھ بھیجا گیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر فوجی کے ہاتھ میں ایک ایک توپ تھمادی گئی ہے۔ اس کے باوجود اگر ناحق اصرار کیا جائے کہ ہر نبی فرداً فرداً صاحب کتاب تھا تو بھی یہ حقیقت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کہ ''صاحب کتاب نبی پر نازل ہونے والی وحی کتاب اللہ ہی میں محصور نہیں ہوا کرتی۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ نزول تورات سے پہلے بھی سال ہا سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی۔ یہ وحی تورات کا حصہ نہیں تھی اس کے باوجود لوگوں پر حجت تھی۔ اس کے لکھنے لکھانے کا آپ نے کوئی اہتمام نہیں فرمایا تھا۔ ہم قرآن کریم کی رو سے پیغمبروں پر ایسی وحی کے نزول کی متعدد مثالیں پیش کر چکے ہیں جسے کتاب نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی ایسی وحی کے لکھنے اور لکھانے کا کوئی اہتمام ہوا تھا۔ اس ساری بحث سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرات انبیا علیہم السلام پر کتاب کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی رہی ہے اور وہ اسی طرح حجت (معتبر و مستند اور واجب التسلیم) تھی جیسے کتاب والی وحی حجت تھی۔ پس یہ دعویٰ اگر درست بھی ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (وحی غیر قرآنی) کو لکھنے لکھانے کا ذرا بھی اہتمام نہیں فرمایا تھا بل کہ ہر حال میں اس کی کتابت سے منع فرما رکھا تھا تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ پر قرآن کریم کے علاوہ اور کوئی وحی نازل نہیں ہوا کرتی تھی اور اس کے لکھنے یا نہ لکھنے سے ایسے وحی کے حجت ہونے میں قطعاً کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ وحی کتاب اور غیر کتاب کا اوپر ذکر ہو چکا۔ وحی کتاب کا لکھا ہونا مقصود بالذات ہے۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات تختیوں (الواح) میں لکھی لکھائی ملی تھی۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ گوسالہ پرستی کے سلسلے میں جب حضرت موسیٰؑ نہایت غیظ وغضب کے عالم میں کوہ طور سے واپس اپنی قوم میں آئے تو اپنے بھائی حضرت ہارونؑ سے ہم کلام ہونے سے پہلے آپ نے ان تختیوں کو ایک طرف رکھ دیا تھا، وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ (۷۲/الف) رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے کوئی تیئس برس تک نازل ہوتا رہا۔ لیکن یہ لکھی ہوئی صورت میں نازل نہیں ہوا بل کہ اسے خود آپ نے اپنے بعض صحابہ کرامؓ (کاتبین وحی) سے لکھوایا اور اس کی ترتیب نزولی کو بھی آپ نے بدل ڈالا۔ قرآن کریم کی کتابت کرانے اور اسے ترتیب نزولی سے اس کی موجودہ ترتیب توقیفی میں بدل ڈالنے کا کوئی حکم قرآن میں موجود نہیں ہے۔ متکلم کے کلام میں اگر کوئی شخص اپنی مرضی اور خواہش سے جملوں کو ان کی اصل جگہ سے ہٹا کر مقدم وموخر کر ڈالے بل کہ اگر صرف رموز اوقاف کے مقامات کو ہی مقدم وموخر کر دے تو مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔ یہ تحریف لفظی ہی کی ایک صورت ہے۔ تورات وانجیل میں تحریف کا آغاز پہلے پہل اسی انداز سے ہوا تھا، مثلاً سورۂ مائدہ میں یہودیوں کے متعلق ہے:

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (۷۲/ب)

وہ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل ڈالتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو ترتیب نزولی کی بہ جائے موجودہ ترتیب توقیفی میں مرتب کرنے اور اس کے لکھوانے کا انتظام واہتمام وحی غیر قرآنی سے کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی خواہ قرآنی ہو یا غیر قرآنی کسی کو بھی اس میں تغیر وتبدل کا ہرگز حق نہیں ورنہ بعد کے حکام اعلیٰ یا (بہ قول منکرین حدیث) مراکز ملت کو یہ حق بھی ہونا چاہئے کہ وہ بھی اپنی مرضی اور خواہش سے از خود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے قرآن کریم کی ترتیب کو جب چاہیں اور جس طرح چاہیں کلمات اور آیات کو مقدم وموخر کر کے بدل ڈالا کریں۔ اللہ کی وحی کے لوگ پابند ہیں خواہ یہ وحی قرآنی ہو یا غیر قرآنی ہو، نہ یہ کہ لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ اسے (معاذ اللہ) موم کی ناک بنالیں۔ وحی قرآنی رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اپنے کلمات میں نازل ہوئی ہے، یہ کلام اللہ ہے اس لئے اس میں کسی لفظی تغیر وتبدل کی بھی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ وحی غیر قرآنی کا بڑا حصہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہ صورت معانی نازل ہوا ہے، اس لئے اس میں اگر لفظی تغیر کبھی ہو بھی جائے تو بھی معنوی تغیر وتبدل کی اجازت نہیں۔

وحی کتاب کی کتابت چوں کہ مقصود بالذات ہوتی ہے، اس لئے آپ نے قرآن کریم کو کاتبین وحی سے لکھوایا ہے۔ آپ اُمی تھے، آپ نے اپنے دست مبارک سے بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی کسی کو لکھ کر نہیں دی۔ سارے قرآن کی کتابت آپ نے اپنے اصحاب میں سے کاتبین وحی سے کروائی۔ اگر چہ آپ نے پورا قرآن لکھوا دیا تھا لیکن آپ نے ہرگز اس کی جمع وتدوین کر کے یک جا سلی سلائی یا مجلد صورت میں امت کے حوالے نہیں فرمایا۔ یہ سارا کام آپ کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دور میں ہوا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ آنے والی نسلیں آپ کے اصحاب پر بھرپور اعتماد کریں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کو وحی کی کتابت پر قدرت عطا فرما دیتا اور سارا قرآن آپ خود ہی اپنے دست مبارک سے لکھ کر اسے سربہ مہر کر کے امت کے حوالے کرتے۔ ایسا ہوتا تو دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ آپ کو اپنے اصحاب پر اعتماد نہیں تھا، اسی لئے آپ کو قرآن اپنے ہاتھ سے لکھنا پڑا اور ممکن ہے کہ بعد میں آپ کے ان اصحاب نے اس میں تغیر وتبدل کر دیا ہو۔ مکہ فتح ہوا تو آپ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو بھی اپنے کاتبین میں شامل فرمالیا، حال آں کہ فتح مکہ سے پہلے کے کاتبین وحی کے ہوتے ہوئے بہ ظاہر ان میں اضافے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ آنے والی نسلیں فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں پر بھی بھرپور اعتماد کریں۔ تورات کی طرح قرآن کریم وحی کتاب ہے اس لئے اس کی کتابت کا آپ نے یقیناً خاص اہتمام فرمایا ہے۔ قرآن کریم کے مجملات اور مشکلات کی تشریح وتوضیح اور قرآن پر زائد احکام وقضایا وغیرہ کو آپ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات سے لوگوں پر ظاہر فرمایا، ان کی حیثیت وحی غیر کتاب کی ہے۔ وحی غیر کتاب کی کتابت مقصود بالذات نہیں بل کہ مقصود بالغیر یعنی متعلقہ احوال اور ضرورتوں کے تابع ہے۔ چناں چہ خود دور نبوی میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص اور دیگر کئی ایک اصحاب نے احادیث رسول کی کتابت کو اپنے خیال میں ضروری سمجھا تو رسول اللہ ﷺ نے اکثر وبیشتر صورتوں میں انہیں منع نہیں فرمایا بل کہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ دور نبوی میں کتابت حدیث کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز آئندہ مضامین میں مناسب مقام پر ہوگا۔ ان احادیث کی کتابت میں یہ تسلسل خلفائے راشدین اور پھر تابعین کے دور میں بھی برابر جاری رہا۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی کئی ایک سنن فعلیہ کتابت کی بہ جائے تعامل امت سے ہم تک پہنچی ہیں کیوں کہ جیسا کہ ہم بارہا بیان کر چکے ہیں وحی غیر کتاب کی کتابت مقصود بالذات نہیں بل کہ اس کی عملی مشق اور مداومت مقصود ومطلوب ہے۔ نماز ہی کو لیجئے، شروع سے آخر تک اس کا پورا پورا طریقہ، کون سے کلمات کو آہستہ پڑھنا اور کون سے کلمات کو اونچی آواز میں اور کہاں کہاں پڑھنا ہے وغیرہ، قرآن وحدیث

کے صرف متون سے ہی معلوم نہیں کئے جا سکتے بل کہ یہ سب کچھ ہم تک تعامل امت سے پہنچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی خواہ وحیِ کتاب (قرآن کریم) ہو یا وحیِ غیر کتاب (وحی سنت یا غیر قرآنی وحی) ہو، آپ کے بعد اس کو امت تک منتقل کرنے کی ذمے داری صحابہ کرامؓ پر تھی۔ انہوں نے وحیِ کتاب (قرآن) کی جمع وتدوین اور کتابت کا خاص اہتمام کیا۔ وحیِ غیر کتاب (وحی سنت) کو انہوں نے اپنے اقوال سے ہی نہیں بل کہ افعال سے بھی امت تک منتقل کیا اور حسب موقع وضرورت اس کی کتابت بھی کی، لیکن چوں کہ وحیِ غیر کتاب کی کتابت مقصود بالذات نہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ کی بہت سی سنن فعلیہ کو انہوں نے کتابت کی بہ جائے صرف اپنے افعال سے آگے منتقل کیا۔ مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ منکرین حدیث مسٹر غلام احمد پرویز کا یہ دعویٰ قطعاً جھوٹ کا پلندہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سلی سلائی یا مجلد صورت میں قرآن کریم کا نسخہ امت کے حوالے کر گئے تھے۔ آپ کی رحلت کے موقع پر جس طرح قرآن کریم منتشر اجزا پر لکھا ہوا موجود تھا اسی طرح احادیث کا خاصا ذخیرہ بھی آپ کے اصحاب نے لکھ رکھا تھا۔ خود آپ کے لکھوائے ہوئے خطوط، معاہدات واحکام وغیرہ بھی موجود تھے۔ احادیث کا یہ کتابی ذخیرہ قرآن کریم کے لکھوائے ہوئے اجزا سے کسی طرح بھی مقدار وکمیت میں کم نہیں تھا۔ مکی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں اگر قرآن کریم کو ''کتاب'' کہا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مکی دور میں قرآن کریم یک جا کسی سلی ہوئی صورت میں موجود تھا۔ مثلاً سورۂ انعام مکی سورت ہے اس میں ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ (۷۲/ج)

اور یہ کتاب (قرآن) ہے اس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے۔

اس آیتؑ کا یہ مطلب نہیں کہ اس آیت کے نزول کے موقع پر قرآن کریم یک جا کاغذی صورت میں موجود تھا۔ سورۂ انعام تو مکی سورت ہے اس کے بعد بھی اور پھر مدینہ منورہ میں بھی سال ہا سال تک قرآن نازل ہوتا رہا ہے۔ ''غلام احمد پرویز اپنی کتاب ''قرآنی فیصلے'' میں لکھتے ہیں ''قرآن اپنے آپ کو بار بار کتاب کہتا ہے پہلی آیت ہی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سے شروع ہوتی ہے۔ ''اور عرب اس لکھی ہوئی چیز کو کتاب کہتے تھے جو مدون شکل میں سلی ہوئی صورت میں موجود ہو'' (۳۷/الف) یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سورۂ بقرہ کی دوسری آیت کا حصہ ہے۔ اس سورت کا نزول رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور کا ہے۔ اس کے بعد بھی کئی سالوں تک قرآن کا نزول برابر جاری رہا۔ ابھی یہ مکمل ہی نہیں ہوا تھا تو ''مدون اور سلی ہوئی صورت میں'' کہاں سے آ ٹپکا تھا۔ عربی زبان میں کسی بھی لکھی ہوئی چیز کو حتیٰ کہ چند سطور پر مشتمل کسی تحریر کو بھی ''کتاب'' کہا جاتا ہے۔

چناں چہ قرآن کریم میں دیگر معانی کے علاوہ کتاب کا لفظ چند سطور پر مشتمل خط پر بھی استعمال ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قوم سبا کی ملکہ کو جو خط لکھا تھا اس کا مضمون صرف اتنا ہی تھا:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ○ (۲۷/ب)

بے شک یہ (خط) سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے۔ اور بے شک یہ اللہ کے نام سے ہے جو بہت رحم کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ (اس خط کا مقصد یہ ہے کہ) تم میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور مطیع وفرماں بردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔

صرف دو جملوں پر مشتمل اس خط کو قرآن کریم میں ''کتاب'' کہا گیا ہے۔ ملکہ سبا نے اپنے لوگوں سے یہ کہا تھا:

اِنِّيْ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ○ (۲۷/ج)

بے شک میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔

پس مسٹر پرویز کا یہ لکھنا سفید جھوٹ یا قرآن کریم سے پرلے درجے کی جہالت اور بے خبری ہے کہ عرب صرف اسی چیز کو کتاب کہتے تھے جو مدون اور سلی ہوئی صورت میں موجود ہو۔

۴۔ منکرین حدیث صحیح اور معتبر احادیث کو بھی حجت نہیں سمجھتے اور انکار حدیث کے فتنے کو پروان چڑھانے کے لئے دور از کار تاویلات فاسدہ کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، لیکن سخت حیرت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنی خود ساختہ اور سراسر جھوٹی احادیث وروایات کو منسوب کرنے میں وہ ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتے۔ منکرین حدیث کے مجلّہ طلوع اسلام میں ہے۔ ''جب نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں تو یہ (قرآن) بعینہٖ اسی شکل اور اسی ترتیب میں جس میں یہ اس وقت ہمارے پاس ہے، لاکھوں مسلمانوں کے پاس موجود اور ہزاروں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اس کی ایک مستند کاپی (Master Copy) مسجد نبوی میں ایک ستون کے قریب صندوق میں رکھی رہتی تھی۔ یہ وہ نسخہ تھا جس میں نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے وحی لکھواتے تھے اسے امّ یا امام کہتے تھے اور اس ستون کو اسطوانہ مصحف کہا جاتا تھا۔ اسی ستون کے پاس بیٹھ کر صحابہ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کی زیر نگرانی اس مصحف سے اپنے اپنے مصاحف نقل کرتے تھے۔ اس کتاب کی اشاعت اس قدر عام ہوگئی کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے آخری خطبۂ حج (حجۃ الوداع کے خطبہ) میں لاکھوں نفوس کو مخاطب کر کے پوچھا کہ کیا میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے تو چاروں طرف سے فضا گونج اٹھی کہ ہاں آپ نے پہنچا دیا ہے''۔ (۴۷/الف) یہاں متعدد

امور قابل غور ہیں:

اوّلاً خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چالیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ (۴۷/ب) پھر ان میں بڑی تعداد خواتین اور بچوں کی بھی تھی۔ نیز ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے فتح مکہ اور اس کے بعد کے واقعات میں اسلام قبول کیا تھا۔ یہ لوگ دور دراز کے علاقوں سے سفر کر کے مختصر عرصے میں کسی (مفروضہ) قرآنی نسخے (ماسٹر کاپی) کی مدد سے اپنے اپنے مصاحف کیسے تیار کر سکتے تھے؟ نیز ان میں بہت سے لوگ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد فتنۂ ارتداد کا بھی شکار ہوئے، کیوں کہ قرآن کریم میں جن صحابہ کرامؓ کے یقینی حُسنِ عاقبت کی خبریں دی گئی ہیں وہ مہاجرین وانصار اور مولفۃ القلوب پر مشتمل ہیں۔ دیگر لوگوں میں سے بہت سے فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہوئے۔ مزید برآں ان کی بہت بڑی اکثریت ناخواندہ تھی، وہ لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہیں تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا لقب بھی رسولِ نبی امی ہے کہ آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ سارا قرآن آپ نے کاتبین وحی سے لکھوایا۔ خود تو آپ نے اپنے دست مبارک سے کسی کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے کلمات تک بھی لکھ کر نہیں دیئے۔ آپ (مفروضہ) قرآنی نسخے (ماسٹر کاپی) سے اپنے اپنے مصاحف میں قرآنی آیات نقل کرنے میں لوگوں کی نگرانی کیسے فرماتے تھے؟ کیا اس دوران آپ اسی لئے وہاں تشریف فرما رہتے تھے کہ کہیں کوئی شخص اس ''ماسٹر کاپی'' کو چرا کر نہ لے جائے؟ جب خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر سامعین کی تعداد زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی تو ان کے پاس لاکھوں قرآنی نسخے کہاں سے آ گئے تھے، ان کی کل تعداد تو دو لاکھ سے بھی کم تھی؟ اگر پرویزی منکرین حدیث کے مضحکہ خیز دعوے کو قبول کر لیا جائے تو لازماً یہ دل چسپ بات بھی ماننی پڑے گی کہ سامعین میں سے ہر مرد، ہر عورت اور ہر بچے کے پاس اپنے اپنے گھروں میں یا حج کے اس سفر میں ایک ہی نہیں بل کہ قرآن کریم کے کئی کئی نسخے موجود تھے۔ (جل جلالہ)

ثانیاً اس زمانے میں کاغذ نہایت کم یاب تھا، اس لئے قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی تختیوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درختوں کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں۔ کاغذ کے ٹکڑے دورِ نبوی میں کبھی کبھار ہی استعمال کئے گئے۔ (۴۷/ج) کاتبین وحی کے علاوہ چند پڑھے لکھے لوگ اپنے اپنے طور پر دست یاب وسائل کے تحت قرآنی آیات لکھ لیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود انصار میں سے پورا لکھا ہوا قرآن صرف چار اصحاب کے پاس تھا۔ بہ روایت حضرت انسؓ بن مالک ان کے اسمائے گرامی ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم اجمعین

ہیں۔ (۷۵/ الف) چلئے مہاجرین صحابہ میں اس تعداد کو زیادہ کر لیجئے تو رسول اللہ ﷺ کی اس دارِ فانی سے رحلت کے وقت پورے قرآن کے مکتوبی نسخوں کی تعداد سولہ سترہ ہوسکتی ہے۔ ادھر منکرین حدیث کا دعویٰ ہے کہ لاکھوں قرآنی نسخے صحابہ کرامؓ کے پاس موجود تھے جو قرآن کی (مفروضہ) ''ماسٹر کاپی'' سے نقل کئے گئے تھے حال آں کہ قرآن متفرق اور منتشر اشیا پر لکھوایا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اسے مرتب و مدون اور یک جا کیا ہی نہیں گیا تو یہ ''ماسٹر کاپی'' کہاں سے آ ٹپکی تھی؟ اگر کوئی ''ماسٹر کاپی'' اسی ترتیب کے ساتھ یک جا موجود تھی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی بڑی تعداد کے شہید ہونے پر حضرت عمرؓ نے قرآنی سورتوں کو یک جا کرنے کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پُر اصرار مشورہ کیوں دیا؟ اگر بہ قول منکرین حدیث لاکھوں قرآنی نسخے صحابہ کرامؓ کے پاس موجود تھے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں قرآنی سورتوں کو یک جا کرنے کی جو کمیٹی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قائم فرمائی تھی اس نے کون سے (معاذ اللہ) کسی نئے قرآن کو مرتب و مدون کیا تھا اور اس ترتیب و تدوین کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی تھی؟ یاد رہے کہ اس کے باوجود سورتوں کی ترتیب اور لغت قریش پر لوگوں کو جمع کرنے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دوبارہ کمیٹی قائم کرنی پڑی تھی۔

ثالثاً قرآن کریم لکھی ہوئی صورت میں نازل نہیں ہوا بل کہ صوتی صورت میں اس کا نزول ہوا۔ عربوں میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی اس لئے قرآنی آیات کا بہ تدریج جیسے جیسے نزول ہوتا گیا، صحابہ کرامؓ انہیں زبانی یاد کر لیتے تھے۔ یہ صدری حفاظت خواندہ اور ناخواندہ سب کے لئے آسان تھی۔ اسی پر سب سے زیادہ زور دیا گیا۔ اسی کے مطابق صحابہ کرامؓ نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر حفاظ قرآن کی بہت بڑی تعداد موجود تھی اور متفرق و منتشر اشیا پر لکھے ہوئے مکمل قرآنی نسخے بہت تھوڑی تعداد میں تھے۔ ادھر ان کی تعداد لاکھوں میں اور حفاظ کی تعداد صرف ہزاروں میں بتائی جارہی ہے۔

رابعاً پرویزی منکرین حدیث کا قرآن دشمنی میں یہ حال ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی تلاوت سرے سے مقصود بالذات ہے ہی نہیں، چناں چہ غلام احمد پرویز اپنی کتاب ''قرآنی فیصلے'' میں لکھتے ہیں:

> قرآن ایک کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ اس کے بتائے طریقوں کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہئے۔ کہئے اس کے الفاظ دہرا دینے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا؟ نیز قرآن

اپنے مضامین پر بار بار غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ کیا قرآن کا یہ مقصد بلا سوچے سمجھے پڑھنے سے حاصل ہوسکتا ہے؟ آپ کسی مصنف سے یہ کہئے کہ میں تمہاری کتاب کے ایک لفظ کو بھی نہیں سمجھتا لیکن اس کے باوجود ہر روز اسے پڑھتا ہوں، حتیٰ کہ مجھے وہ زبان بھی نہیں آتی جس میں تم نے یہ کتاب لکھی ہے اس کے باوجود اس کے الفاظ کو دہراتا رہتا ہوں۔ آپ خود ہی سوچئے کہ وہ مصنف آپ کو کیا جواب دے گا؟ یہ عقیدہ درحقیقت مسلمانوں کو قرآن سے الگ رکھنے کے لئے تراشا گیا تھا جو عجمی سازش کا نتیجہ ہے اور یہ عقیدہ یک سر غیر قرآنی ہے۔ (۷۵/ب)

غور کیجئے قرآن کریم کی تلاوت اور اسے زبانی یاد کرنے سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے کیسی چرب زبانی اور دھوکے سے کام لیا جارہا ہے۔ قرآن کریم کو سمجھنا، اس کے مضامین پر غور وتدبر کرنا، اس کے اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہونا اپنی جگہ پر نہایت اہم اور مقصود بالذات ہے اور قرآن کریم کے کلمات والفاظ کو زبان پر چالو کرنا، بار بار انہیں دہرانا اور ان کی تلاوت کرنا اور جو خوش نصیب اسے زبانی یاد کرسکیں ان کا اسے زبانی یاد کرنا اور اس کی صدری حفاظت کا اہتمام کرنا اپنی جگہ پر مقصود بالذات ہے۔ نماز میں قرآن کریم کی تلاوت نماز کے ارکان میں داخل ہے، اس کتاب کی حیثیت قانون کی محض ایسی کتاب کی نہیں جس میں الفاظ کی بہ جائے صرف معانی مقصود ہوتے ہیں، اس لئے قانونی کتب کے متون کو اونچی آواز میں پڑھنے بار بار دہرانے اور زبانی یاد کرنے کو مقصود نہیں ٹھہرایا جاتا۔

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اس کے الفاظ وکلمات اور اس کے معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس کی حفاظت کے طریقوں میں صدری حفاظت نہایت ہی اہم طریقہ اور اس کی تلاوت باعث اجر وثواب ہے اس لئے صحابہ کرامؓ اسے زبانی یاد کرنے اور کرانے پر بڑے حریص تھے۔ غور کیجئے اگر قرآن کے صرف معانی ہی مقصود ہوں تو اس میں ایسی آیات بھی تو ہیں جنہیں محکم آیات کے مقابلے میں متشابہ آیات کہا جاتا ہے مثلاً حروف مقطعات کے معانی ہمیں نہیں بتائے گئے بعض آیات کے معانی تو معلوم ہیں لیکن ان کے صحیح مفہوم اور مراد تک ہماری ناقص عقول کی رسائی نہیں۔ تو اگر صرف معانی ہی مقصود ہیں تو ان آیات کا نزول (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) سراسر عبث ہوا۔ عبث کام کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت بالاتفاق کفر ہے۔ نیز جب منکرین حدیث کے نزدیک قرآن کریم کی تلاوت سرے سے مقصود ہی نہیں اور وہ احادیث جن میں قرآنی سورتوں اور آیات کی تلاوت کے فضائل بیان کئے گئے ہیں منکرین حدیث کے نزدیک (معاذ اللہ) سب کی سب جھوٹی ہیں (۷۵/ج) تو صحابہ کرامؓ میں قرآن کریم کو زبانی یاد کرنے کا شوق ہی کیسے پیدا

ہوگیا تھا اور منکرین حدیث کا یہ کہنا کیسے درست سمجھا جائے کہ صحابہ کرامؓ میں ہزاروں کے سینوں میں یہ محفوظ تھا؟ منکرین حدیث حسب موقع وضرورت جو منہ میں آئے اگل دیتے ہیں۔ متنبی قادیان غلام احمد کی طرح منکر حدیث غلام احمد پرویز کو بھی قطعاً یاد نہیں رہتا کہ اس طرز عمل سے ان کے کلام میں خاصی مضحکہ خیز اور دل چسپ تضاد بیانی پیدا ہو جاتی ہے۔

خامساً جب احادیث صحیحہ بھی منکرین حدیث کے نزدیک معتبر نہیں تو جو سراسر جھوٹی روایات برصغیر پاک و ہند کے عجمی منکرین حدیث نے کسی عجمی سازش کے تحت عجمی نکسالوں میں گھڑی ہیں ان سے قرآن کریم کا معتبر اور محفوظ کتاب ہونا کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ دور رسالت میں قرآن کریم کی جس ''ماسٹر کاپی'' کا حوالہ مسٹر پرویز نے دیا ہے، اس کی تائید میں پرویزی حضرات احادیث وروایات کے ذخیرے سے کوئی موضوع روایت ہی دکھانے کی زحمت فرما سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کا دین سے متعلق کوئی بھی فعل آپ کی سنتِ فعلی کہلاتا ہے تو آپ کی طرف کسی بھی فعل کی غلط نسبت بھی احادیث موضوعہ کے عنوان کے تحت ہی شمار ہوتی ہے۔

سادساً ظہور رسالت کے بعد رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں قیام تیرہ برس رہا اور اس عرصے میں بھی قرآن کریم کا نزول بہ تدریج ہوتا رہا۔ اس دور میں کون سی مسجد یا کون سے مقام پر (مفروضہ) صندوق رکھا ہوتا تھا جس میں قرآنی آیات کے مخطوطات ڈالے جاتے تھے اور مدینہ منورہ کی طرف آپ کی ہجرت کے بعد یہ صندوق مسجد نبوی میں کب اور کیسے پہنچایا گیا تھا، اس کا کوئی (افسانوی) ذکر طلوع اسلام نے نہیں کیا، آخر کیوں؟

سابعاً مجلہ طلوع اسلام میں جہاں یہ لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے وقت لوگوں کے پاس لاکھوں کی تعداد میں لکھے ہوئے قرآنی نسخے موجود تھے تو اگلے ہی صفحے پر یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے:

> امام ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ خلیفہ اول کے زمانے میں کوئی شہر ایسا نہیں تھا جہاں لوگوں کے پاس بہ کثرت قرآن کریم کے نسخے نہ ہوں اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کتاب عظیم کے لکھے ہوئے نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔

دیکھئے یہ نسخے جو پہلے ''لاکھوں'' کی تعداد میں تھے حضرت عمرؓ کے زمانے میں صرف ایک لاکھ تک کیوں پہنچ گئے؟

ثامناً خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سامعین سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں نے اپنی نگرانی میں مسجد نبوی میں موجود مصحف امام (ماسٹر کاپی) سے تمہارے لئے اپنے اپنے لاکھوں مصاحف

تیار کرائے تھے یا نہیں، بل کہ یہ دریافت فرمایا تھا کہ کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے یا نہیں؟ آپ کے اس سوال سے اور سامعین کے اس جواب سے کہ ہاں آپ نے پیغام پہنچا دیا ہے، یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم لکھی ہوئی صورت میں لاکھوں لوگوں کے پاس موجود تھا؟ یاد رہے کہ سامعین کی تعداد کئی لاکھوں میں نہیں بل کہ دو لاکھ سے بھی کم تھی۔ پیغام پہنچا دینے اور کتاب لکھوا دینے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تاسعاً منکرین حدیث اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دورِ فاروقی میں قرآن کریم کے نسخے ایک لاکھ سے کم نہیں تھے تو خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے دور میں ان کی تعداد میں اور بھی اضافہ ہو چکا ہوگا۔ آپ کے زمانے میں جب لغت قریش پر قرآن کریم کی جمع و تدوین مکمل ہوئی اور جمع و تدوین کے اس دور میں قرآنی سورتوں کو بھی ترتیب دے دی گئی تو آپ نے اس کی نقول تمام صوبوں میں بھجوائیں۔ اور ساتھ ہی ان کے علاوہ دوسرے تمام نسخوں کو ضائع کرنے کا حکم دیا جس پر وسیع پیمانے پر عمل ہوا۔ یعنی جو قرآنی نسخے ضائع کئے گئے وہ ایک لاکھ سے یقیناً زیادہ ہوں گے۔ کیا ان نسخوں کے ضائع کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم (معاذ اللہ) لوگوں کے لئے حجت (واجب التسلیم) نہیں رہا؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو اگر خلفائے راشدینؓ اور بعض دیگر اصحابؓ کی طرف منسوب وہ روایات جو بہ اعتبار سند چنداں معتبر نہیں اور جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث کے بعض مکتوبی مجموعے جلائے گئے تھے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ احادیث سرے سے حجت ہی نہیں ہیں؟ جس نیک نیتی سے قرآن کریم کے لاتعداد نسخے ضائع کئے گئے اسی طرح بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر احادیث کے بعض مجموعے ضائع کئے گئے ہوں تو اس سے حدیث کا حجت ہونا بھی قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ اگر احادیث کی کتابت مطلقاً ممنوع ہوتی تو دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں اس کی کتابت کا تسلسل ہوگز جاری نہ رہتا۔

عاشراً قرآن کریم کی بعض آیات کا نزول حجۃ الوداع کے ایام میں بھی ہوا اس کے جلد ہی بعد ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ پورا قرآن آپ نے کاتبین وحی سے لکھوا تو دیا تھا لیکن اسے کاغذ پر یک جا مدون و مرتب کرنے آپ کو موقع ہی کب ملا؟ جمع و تدوین کا کام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کے ادوار خلافت میں ہوا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن کریم کے لاکھوں مکتوبی نسخے کہاں سے آ ٹپکے تھے، جب کہ قرآن کا کچھ حصہ تو حجۃ الوداع کے ایام میں بھی نازل ہوا تھا۔ مجلہ طلوع اسلام میں جس اسطوانہ مصحف کا حوالہ دیا گیا ہے جہاں بہ قول ان کے قرآنی مخطوطات پر مشتمل صندوق پڑا رہتا تھا اور جہاں سے بہ قول منکرین حدیث لاکھوں مصاحف نقل کئے جا چکے تھے، تو

اس اسطوانہ مصحف کو مرجع خواص وعوام ہونا چاہئے تھا۔ مسجد نبوی اور دور نبوی سے چلے آنے والے اس کے ستون آثار قدیمہ میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ ان (افسانوی) حقائق کا علم صرف پرویزی منکرین حدیث کے حصے میں آیا۔ احادیث صحیحہ تو منکرین حدیث کے نزدیک حجت نہیں، کیوں کہ یہ (معاذ اللہ) عجمی نکسالوں میں گھڑی گئی ہیں لیکن وہ خود اغراض فاسدہ کے تحت جو نئی جھوٹی روایت اپنے عجمی نکسالوں میں گھڑنا چاہیں تو اس کی انہیں بہ زعم خویش کھلی آزادی حاصل ہے۔ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْن

۵۔ مذکورہ مباحث سے یہ واضح ہوا کہ منکرین حدیث کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ نبی پر نازل ہونے والی وحی ہر صورت میں وحی کتاب ہی ہوتی ہے۔ آسمانی کتب تو چار ہیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم۔ کچھ صحیفے بھی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو دیئے گئے تھے۔ (۷۶/ الف) اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کا بہت بڑا حصہ وحی کتاب پر نہیں بل کہ وحی غیر کتاب پر مشتمل ہے اور جن انبیا علیہم السلام پر وحی کتاب نازل ہوئی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان پر وحی غیر کتاب کا نزول ہوا ہی نہیں تھا۔ وحی کتاب اور وحی مکتوبی میں منطقی اعتبار سے عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر وحی کتاب لازماً وحی مکتوبی بھی ہوتی ہے لیکن ہر وحی مکتوبی کا وحی کتاب ہونا ضروری نہیں کیوں کہ وحی غیر کتاب بھی حسب موقع ومحل اور حسب ضرورت مکتوبی ہوسکتی ہے۔ وحی غیر کتاب اور وحی مکتوبی میں منطقی لحاظ سے عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ وحی غیر کتاب کے کچھ حصے حسب موقع وضرورت مکتوبی ہو سکتے ہیں اسی طرح وحی مکتوبی کا کچھ حصہ وحی غیر کتاب پر مشتمل ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ ہرگز ضروری نہیں کہ وحی غیر کتاب کا ہر حصہ لازماً مکتوبی ہو اور غیر مکتوبی ہونے کی صورت میں لوگوں پر حجت نہ ہو۔ تورات کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو غیر توراتی وحی یعنی وحی غیر کتاب نازل ہوتی رہی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہرگز اس غیر توراتی وحی (وحی غیر کتاب) کا کوئی تحریری مجموعہ بنی اسرائیل کے حوالے نہیں فرمایا تھا۔ البتہ آپ کے انتقال کے وقت تورات (وحی کتاب) مکمل صورت میں بنی اسرائیل کے پاس موجود تھی، کیوں کہ یہ ایک ہی مرتبہ اور لکھی ہوئی تختیوں (الواح) میں نازل ہوئی تھی۔ وحی غیر کتاب یا غیر توراتی وحی کو بنی اسرائیل نے اپنے طور پر لکھا لیکن ظاہر ہے کہ جب وہ وحی کتاب (تورات) میں تحریف اور تغیر وتبدل سے باز نہ آئے تو وہ وحی غیر کتاب (غیر توراتی وحی) کی بھی حفاظت کیسے کر سکتے تھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کی اس دار فانی سے رحلت کے موقع پر وحی کتاب یعنی قرآن کریم بھی ہرگز کسی سلی ہوئی صورت میں یک جا امت کے پاس نہیں تھا۔ اس کی جمع وتدوین تو خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہوئی۔ پس منکرین حدیث کا یہ کہنا سراسر فریب نفس ہے کہ اگر رسول اللہ

ﷺ کے احکام وقضایا قیامت تک کے لئے واجب العمل ہوتے تو آپ کے لئے ضروری تھا کہ ان کا ''مستند اور مصدق'' مجموعہ امت کے حوالے کر جاتے۔

ب: بہ حوالہ ''اتباعِ وحی کا صحیح مفہوم''

جن پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے وحیِ کتاب سے مشرف فرمایا انہیں وحیِ غیر کتاب سے بھی وافر حصہ عطا ہوا۔ وحیِ کتاب تو الفاظ وکلمات کی صورت میں ہوتی ہے اور اسے وحی متلو کہا جاتا ہے، لیکن اس وحیِ کتاب کی تشریح وتوضیح کرنے والی وحیِ غیر کتاب اکثر وبیشتر پیغمبر کے دل میں معانی کی صورت میں القا کی جاتی ہے۔ پھر ان معانی کو پیغمبر اپنے اقوال وافعال سے امت پر ظاہر کرتا ہے۔ اس وحی کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ صرف پیغمبر کے اقوال ہی سے نہیں بل کہ افعال سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو قرآن وحیِ کتاب کے طور پر حاصل ہوا، اور اس قرآن کا بیان آپ کو وحیِ غیر کتاب سے ملا جسے آپ نے اپنے اقوال وافعال سے امت پر ظاہر فرمایا۔ چناں چہ قرآن کریم میں اکثر وبیشتر مضمون مَا انزل اللہ (جو اللہ نے اتارا ہے) کی پیروی کا ملے گا، تاکہ کسی کو یہ شیطانی وسوسہ لاحق نہ ہو کہ قرآن کے علاوہ کوئی اور وحی آپ پر نازل نہیں ہوا کرتی تھی۔ حال آں کہ اگر قرآن کے علاوہ اور وحی نہ ہوتی تو کلام میں ایجاز واختصار کا بھی تقاضا یہی تھا کہ **مااُوحی الیك ، مااُنزل الیك، ماانزل اللّٰہ** جیسے کلمات لانے کی بہ جائے ہر جگہ لفظ ''القرآن'' لایا جاتا۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ سے یہ اعلان کرایا گیا ہے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰی اِلَیَّ (۷۶/ب)

میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَایُوْحٰی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (۷۶/ج)

میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

دیکھئے یہ نہیں کہا گیا کہ میں صرف قرآن کی پیروی کرتا ہوں۔ سورۂ اعراف میں ہے:

اِتَّبِعُوْا مَااُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ (۷۷/الف)

تم اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔

سورۂ انعام میں ہے:

اِتَّبِعْ مَااُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۷۷/ب)

تو اس کی پیروی کر جو تیری طرف تیرے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔

سورۂ مائدہ میں ہے:

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (۷۷/ج)

اے رسول! جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تیری طرف اتارا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دے۔

سورۂ یونس میں ہے:

وَاتَّبِعْ مَایُوْحٰی اِلَیْکَ (۷۸/الف)

اور تو اس کی پیروی کر جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَ نَا (۷۸/ب)

اور جب ان سے کہا جائے کہ جو اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔

اسی سورۂ بقرہ میں متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ (۷۸/ج)

اور وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا۔

اور اسی سورۂ بقرہ میں ہے:

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا (۷۹/الف)

تم یہ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا۔

خوب غور کیجئے اس طرح کی تمام آیات میں ''جو تیری طرف اتارا گیا، جو تیری طرف وحی کیا گیا، جو اللہ نے اتارا، جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے، جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا، جو ہماری طرف اتارا گیا وغیرہ'' کی بہ جائے اس طرح کے تمام مواقع پر لفظ ''القرآن'' لایا جاتا تو بہ ظاہر کلام مختصر ہوتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف قرآن ہی نہیں اتارا گیا جو وحی، کتاب ہے بل کہ بیانِ قرآن بھی اتارا گیا جو وحی، غیر کتاب ہے۔ پس جہاں بھی اتباع کتاب کی بات ہوگی تو اس میں وحیِ کتاب پر بھی عمل ہوگا اور ساتھ ہی وحی کتاب کے مجملات ومشکلات کی جو تشریح وتوضیح صاحب کتاب پیغمبر، وحی غیر کتاب پر مبنی اپنے اقوال وافعال سے کرے گا اس پر بھی عمل ہوگا۔ سورۂ مائدہ میں ہے

کہ ''ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کے فرماں بردار نبی، علما اور درویش اسی کتاب کے مطابق یہودیوں کے لئے فیصلے کیا کرتے تھے کیوں کہ انہیں اللہ کی اس کتاب کا محافظ بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔'' پھر آیت کے آخر میں ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (۷۹/ب)

اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی لوگ پورے کافر ہیں۔

یہاں بھی غور کیجئے کہ ''بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کی بہ جائے کلمہ ''بالتوراۃ'' نہیں لایا گیا کہ جو تورات کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں حال آں کہ تورات کا مُنَزَّل من اللہ ہونا تو آیت کے شروع میں ہی بتا دیا گیا ہے لہٰذا اس کے اعادے اور تکرار کی بہ ظاہر ضرورت نہیں تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ تورات کے مجمل احکام ومضامین کی جو توضیح وتشریح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیا علیہم السلام نے اپنے اقوال وافعال سے فرمائی وہ بھی مَااَنْزَلَ اللّٰه میں ہی داخل ہے۔ تورات وحیِ کتاب اور انبیائے بنی اسرائیل کے ذریعہ بیانِ تورات وحیِ غیر کتاب ہے۔ عیسائیوں کے متعلق بھی اسی سورۂ مائدہ میں ہے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریمؑ کو انجیل دی تھی، اس کے بعد اگلی آیت میں ارشاد ہے:

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَااَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَااَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ○ (۷۹/ج)

اور انجیل والوں کو چاہئے کہ وہ اسی کے مطابق فیصلے کریں جو کچھ اللہ نے اس (انجیل) میں اتارا ہے اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی پورے فاسق ہیں۔

یہاں بھی غور کیجئے کہ آیت میں دونوں جگہ مَااَنْزَلَ اللّٰه کی بہ جائے لفظ ''انجیل'' نہیں لایا گیا جس کا مفہوم یہ ہوتا کہ انجیل والوں کو چاہئے کہ وہ انجیل کے مطابق فیصلے کریں اور جو گ انجیل کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے وہی فاسق ہیں۔ وجہ یہاں بھی ظاہر ہے کہ صرف انجیل ہی کی اتباع مطلوب نہیں بل کہ انجیل میں جو مجمل احکام ومضامین اللہ نے اتارے ہیں جن کی اپنے اقوال وافعال سے توضیح وتشریح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائی اس پر بھی عمل مقصود ومطلوب ہے۔ یعنی ماانزل اللہ میں وحیِ کتاب (انجیل) کے ساتھ وحیِ غیر کتاب (بیان انجیل یا غیر انجیلی وحی) بھی شامل ہے۔ آیت میں مَااَنْزَلَ اللّٰه فیہ کے کلمات میں ''فیہ'' کی ضمیر کا مرجع انجیل ہے جس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ نے اس (انجیل) میں اتارا ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ نے اس (انجیل) کے بارے میں اتارا ہے یعنی آیت کا یہ حصہ

انجیلی وحی (وحیِ کتاب) اور انجیل کی تشریح کرنے والی غیر انجیلی وحی (وحیِ غیر کتاب) دونوں کو بہ خوبی ظاہر کر رہا ہے۔ اسی سورۂ مائدہ میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور اس پر محافظ ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ (۸۰/الف)

سو (اے پیغمبر!) تو اسی کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا ہے۔

یہاں بھی بِمَا أَنْزَلَ اللّٰه کی بہ جائے کلمہ بالکتاب یا "بہ" نہیں لایا گیا کہ تو ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کر۔ وجہ یہاں بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف وحیِ کتاب (قرآن) ہی کا نزول نہیں ہوا بل کہ وحیِ غیر کتاب (بیانِ قرآن) کا بھی نزول ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے اس بیانِ قرآن کا صاف وعدہ بھی فرمایا تھا:

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه (۸۰/ب)

پھر ہمارے ہی ذمے اس (قرآن) کا بیان بھی ہے۔

اسی سورۂ مائدہ میں یہود و نصاریٰ کے متعلق ارشاد ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (۸۰/ج)

اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو کچھ ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا اس کی پابندی کرتے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے بھی اور اپنے پاؤں کے نیچے سے بھی کھاتے (یعنی آخرت کے اجر کے علاوہ انہیں دنیا میں بھی وافر رزق ملتا)

یہاں بھی غور کیجئے یہودیوں کے لئے تورات اور عیسائیوں کے لئے انجیل کے علاوہ اور کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو آسمانی کتاب زبور تو نزول تورات کے سیکڑوں برس بعد ملی تھی، لیکن آیت میں صرف تورات اور انجیل ہی کی پیروی کا ذکر نہیں بل کہ ساتھ ہی مَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ (جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا) کے کلمات کا بھی اضافہ ہے۔ یعنی تورات و انجیل تو وحیِ کتاب ہیں۔ حضرات انبیائے بنی اسرائیل نے اور آخری اسرائیلی رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اقوال و افعال سے ان آسمانی کتب کی جو تشریح و توضیح فرمائی تو یہ بیانِ تورات اور بیانِ انجیل بھی مَا أُنْزِلَ اللّٰه میں شامل ہے۔ سورۂ انبیا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ (۸۱/الف)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ میں تمہیں صرف وحی کے ذریعہ آگاہ کرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن کریم ہی وحی نہیں ورنہ یہاں ''بالوحی'' کی بہ جائے کلمہ ''بالقرآن'' لایا جاتا کہ میں تمہیں صرف اور صرف قرآن ہی کے ذریعے آگاہ کرتا ہوں۔ پس آگاہ کرنا قرآنی اور غیر قرآنی وحی دونوں کے ذریعے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ''قرآنی وحی'' کے ذریعے آگاہ کرنے کی بات ہوئی ہے وہاں کلمہ حصر ''انّما'' بہ معنیٰ ''صرف'' نہیں لایا گیا۔ مثلاً سورۂ انعام میں ہے:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (۸۱/ب)

اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے، تاکہ میں اس کے ذریعہ تمہیں بھی اور ہر اس شخص کو بھی آگاہ اور متنبہ کروں جس تک یہ (قرآن) پہنچے۔

منکرین حدیث مثلاً محمد اسلم جیراج پوری کا سورۂ انبیا اور سورۂ انعام کی مذکورہ بالا آیتوں کو ملا کر یہ تاثر قائم کرنا سراسر فریب اور دھوکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ کسی اور وحی کا نزول نہیں ہوا کرتا تھا۔ (۸۱/ج) حال آں کہ یہاں تو سنت رسول (بیانِ قرآن) کا وحی ہونا بہ خوبی ثابت ہو رہا ہے کیوں کہ جہاں ''القرآن'' کے ذریعے ڈرانے اور آگاہ کرنے کا ذکر ہے، وہاں کلمہ حصر نہیں ہے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وحی صرف قرآن کریم میں ہی محصور و محدود نہیں ہے، اور جہاں ''الوحی'' کے ذریعے ڈرانے اور آگاہ کرنے کا ذکر ہے وہاں کلمہ حصر ''انما'' (صرف اور صرف) لا کر خوب واضح کر دیا گیا ہے کہ نہ صرف قرآن کریم ہی وحی ہے بل کہ دین کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ہر قول و فعل پر وحی خداوندی جاری، ساری اور حاوی ہے۔ چناں چہ آپ کی زبان مبارک سے بھی متعدد مرتبہ یہ اعلان کرایا گیا ہے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ (۸۲/الف)

میں تو صرف اور صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

جہاں تک روز مرہ کے دنیوی کام کاج کا تعلق ہے تو ایسی گفت گو اور ایسے کاموں پر مخالفین و معاندین کا کوئی اعتراض و اشکال نہیں تھا اور نہ ہی ایسے امور وحی حقیقی کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔ صرف دینی امور کے متعلق ہی مخالفین و معاندین کا دعویٰ اور اصرار تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول نہیں ہیں، پس نہ تو قرآن (معاذ اللہ) اللہ کا کلام ہے اور نہ ہی اس قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے آپ کے دینی اقوال و افعال وحی کی بنا پر ہیں۔ تاہم دینی امور تو ایک طرف رہے دنیوی امور میں بھی آپ کو غلطی پر ہرگز قائم نہیں رہنے دیا جاتا تھا۔ اس لئے آپ کے تمام دنیوی اقوال و احوال حقیقتاً وحی نہ بھی ہوں تو بھی

حکماً وحی کے ہی تابع ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ مباحث میں بھی بیان کیا جاچکا ہے، وحی کی ایک قسم وحی تقریری (سکوتی) یا وحی حکمی ہے کہ آپ کے جس قول وفعل پر اللہ تعالیٰ سکوت فرمائے وہ بھی یقیناً درست ہے ورنہ غلطی پر ضرور بالضرور آپ کو مطلع کر کے اس کی اصلاح کر دی جاتی تھی۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح توراتی وحی کے علاوہ غیر توراتی وحی اور انجیلی وحی کے علاوہ غیر انجیلی وحی کا بھی نزول ہوا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر قرآنی وحی کے علاوہ غیر قرآنی وحی کا بھی نزول ہوا ہے، تورات کی تشریح وتوضیح میں غیر توراتی وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئی، اور انجیل کی تشریح وتوضیح میں غیر انجیلی وحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ جس طرح غیر توراتی وحی (وحیِ غیر کتاب) کی کتابت کا اہتمام حضرت موسیٰ اور بعد کے انبیائے بنی اسرائیل نے اور جس طرح غیر انجیلی وحی (وحیِ غیر کتاب) کی کتابت کا اہتمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں فرمایا، اسی طرح غیر قرآنی وحی (وحیِ غیر کتاب) کی کتابت کا اہتمام رسول اللہ ﷺ نے بھی نہیں فرمایا، بل کہ بعض صحابہ کرامؓ نے حسب موقع وضرورت اس کی از خود کتابت کی تو اکثر وبیشتر صورتوں میں آپ نے ان کی حوصلہ افزائی یقیناً فرمائی۔ بعض مواثیق ومعاہدات اور مکاتیب وخطوط وغیرہ آپ نے خود بھی لکھوائے۔ وحیِ کتاب کی کتابت مقصود بالذات ہے اور وحیِ غیر کتاب لکھی جائے یا نہ لکھی جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اس کی کتابت مقصود بالذات نہیں بل کہ مقصود بالغیر ہے لیکن دونوں طرح کی وحی لوگوں پر بہ ہر حال حجت ہے اور اس میں کسی کو ترمیم وتنسیخ اور تغیر وتبدل کا حق ہرگز حاصل نہیں ہے۔

ج: بہ حوالہ ''کتاب وحکمت''

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر رسول اکرم ﷺ کو معلم کتاب وحکمت قرار دیا گیا ہے۔ (۸۲/ب) منکرین حدیث کا اصرار ہے کہ صرف قرآن کریم کو ہی ان آیات میں ''کتاب وحکمت'' کا نام دیا گیا ہے اور حکمت سے ''سنت رسول'' مراد نہیں ہے۔ منکرین حدیث کا یہ دعویٰ درج ذیل توضیحات کی بنا پر یک سر باطل اور مردود ہے:

۱۔ قرآن کریم کے حکمت (دانائی) ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ دینی حکمت شاید صرف قرآن ہی میں محصور ومحدود ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال (سنت) حکمت میں داخل نہیں اس لئے تعلیم کتاب کے ساتھ ہر موقع پر تعلیم حکمت کا اضافہ کیا گیا ورنہ صرف یعلمھم

الکتاب کہنا ہی کافی تھا، یا اگر ایک آدھ موقع پر کتاب کے ساتھ حکمت کا اضافہ کیا بھی جاتا تو بھی ہر جگہ اس کے تکرار اور اعادہ کی ہرگز ضرورت نہ تھی اور بلا ضرورت کلام عیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا کلام ہر عیب سے پاک ہے۔

۲۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مجموعہ ہے اور حکمت صرف اقوال ہی میں نہیں بل کہ افعال میں بھی ہوا کرتی ہے۔ پس حکمت (دانائی) قرآن ہی میں محصور و محدود نہیں ہے۔

۳۔ جس طرح قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس کا بیان (توضیح و تفسیر) بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه (۸۲/ج)

پھر ہمارے ہی ذمے اس (قرآن) کا بیان (بھی) ہے۔

پس جب قرآن حکمت ہے تو بیانِ قرآن بھی یقیناً حکمت ہے، کیوں کہ دونوں ہی اللہ کی طرف سے ہیں۔

۴۔ اسی بیانِ قرآن کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات سے لوگوں پر ظاہر فرمایا ہے۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۸۳/الف)

اور ہم نے تیری طرف نصیحت (قرآن) کو اتارا ہے، تاکہ تو لوگوں پر خوب کھول کر بیان کردے جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔

آپ کے اقوال، افعال اور تقریرات کو ہی سنت کہا جاتا ہے اور اس سنت کو الفاظ و کلمات میں بیان کرنے کو حدیث کہا جاتا ہے۔ بیانِ قرآن، وحیِ غیر کتاب، وحیِ خفی، وحیِ غیر متلو، سنتِ رسول، حدیثِ رسول، اور اسوۂ رسول ایک ہی چیز کی مختلف تعبیرات ہیں۔ پس جب بیانِ قرآن (بہ صورت سنت رسول) یقیناً حکمت ہے تو معلم کتاب و حکمت ہونے کا مطلب واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کتاب و سنت دونوں کے معلم ہیں، اس لئے حکمت سے سنت مراد لینا بالکل درست اور عین قرین فہم ہے۔

۵۔ قرآن سراپا خیر ہے، کُل کا کُل خیر ہے۔ یہ کہنا کلمۂ کفر ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ تو خیر ہے اور کچھ نہیں، یہ تو سارے کا سارا خیر ہے۔ لیکن حکمت کا سراپا خیر ہونا ضروری نہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ○ (۸۳/ب)

اور جس شخص کو حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر (بڑی مقدار میں بھلائی) دی گئی۔

دیکھئے یہاں اللہ تعالیٰ نے حکمت کو ''خیر کُل'' نہیں بل کہ ''خیر کثیر'' قرار دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حکمت یعنی دانائی صرف دینی امور میں ہی نہیں ہوتی بل کہ دنیوی امور میں بھی ہوتی ہے۔ چناں چہ کفار اور فُسّاق وفُجّار کے بھی بعض دنیوی اقوال وافعال حکیمانہ ہوسکتے ہیں۔ ان کے معاشی، معاشرتی، عسکری امور، صنعت وحرفت وغیرہ کی منصوبہ بندی میں بعض اوقات اس قدر حکمت (دانش مندی) ہوتی ہے کہ وہ بسا اوقات اپنے عزائم ومقاصد میں کام یاب وکام ران ہوتے ہیں۔ ان کی یہ حکمت ان کے لئے خیر کثیر (بہت بڑی بھلائی) تو ہوسکتی ہے لیکن خیر کُل (مکمل اور بھرپور بھلائی) ہرگز نہیں ہوسکتی، کیوں کہ دنیوی کام یابیوں، خوش حالی اور فراوانی کے باوجود کفار آخرت میں خیر سے کلیتاً محروم اور عذاب سے لازماً دوچار ہوں گے۔ پس قرآن بے شک سراسر حکمت ہے لیکن ہر حکمت کا قرآن ہی میں پایا جانا ہرگز ضروری نہیں۔

۶۔ حضرت لقمانؑ کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ (۸۳/ج)

اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی۔

حضرت لقمانؑ کے متعلق یہ بھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ انہیں منصب نبوت پر بھی فائز کیا گیا تھا یا نہیں، لہٰذا یہ سوال بھی خارج از بحث ہوجاتا ہے کہ وہ صاحب کتاب تھے یا نہیں، تاہم وہ صاحب حکمت ضرور تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت صرف کتاب اللہ میں ہی نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمت قرآن اور بیان قرآن (سنت) دونوں سے باہر بھی ہوسکتی ہے۔ حضرت لقمان کو نہ ہی قرآن دیا گیا تھا اور نہ ہی بیان قرآن عطا ہوا تھا۔ تاہم یعلمھم الکتاب والحکمۃ میں حکمت سے بیان قرآن (سنت) کو اس لئے مراد لیا جاتا ہے کہ یہاں سیاق کلام میں کتاب سے قرآن کا اور حکمت سے سنت کا مراد ہونا بہ خوبی واضح ہورہا ہے۔ ورنہ آسمانی کتابیں قرآن کے علاوہ اور بھی ہیں وہ بھی سراپا حکمت تھیں اور حضرات انبیا علیہم السلام نے ان کتابوں کی اپنے اقوال وافعال (سنت) سے جو تشریح وتوضیح فرمائی تھی وہ بھی سراپا حکمت تھی، لہٰذا منکرین حدیث کا یہ کہنا محض دھوکہ اور فریب ہے کہ حکمت کا معنیٰ احادیث رسول کرنا اس لئے درست نہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو جو حکمت دی گئی تھی وہ احادیث رسول نہیں تھیں۔ (۸۴/الف) منکرین حدیث سے ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو تو قرآن بھی نہیں دیا گیا تھا تو کیا وہ سنت رسول کی دشمنی میں قرآن کے حکمت ہونے کا بھی انکار کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرتے ہیں تو قرآن پر ان کے نمائشی ایمان کی قلعی کھل گئی۔ اگر نہیں کرتے تو جس طرح حضرت لقمانؑ کو احادیث رسول نہیں دی گئی تھیں تو قرآن بھی تو نہیں دیا گیا تھا۔ اگر اس کے باوجود ان کے نزدیک قرآن حکمت ہے تو

احادیث رسول کے حکمت ہونے سے انہیں شدید بے چینی کیوں لاحق ہونے لگتی ہے؟ حکمت کا لغوی معنیٰ جس طرح سنت نہیں اسی طرح اس کا لغوی معنی کتاب بھی نہیں۔ حکمت کا لغوی معنیٰ دانائی کا ہے جو اقوال میں بھی ہوسکتی ہے اور افعال میں بھی۔ پھر یہ حکمت اگر دینی امور میں ہوتی ہے تو بعض دنیوی امور میں بھی ہوسکتی ہے۔ پس اس کے مفہوم میں بہت وسعت ہے۔ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ میں سیاقِ کلام سے واضح ہے کہ کتاب سے مراد ''قرآن کریم'' اور حکمت سے مراد بیانِ قرآن (سنت) ہے۔ یاد رہے کہ سنت رسول کو سند (راویوں کے سلسلے) کے ساتھ بیان کرنے کو حدیث کہا جاتا ہے اس لئے احادیث صحیح بھی ہوسکتی ہیں، ضعیف بل کہ موضوع اور جھوٹی بھی ہوسکتی ہیں لیکن سنتِ رسول بہ ذات خود (معاذ اللہ) ضعیف یا جھوٹی نہیں ہوا کرتی۔ حدیث کا جو حصہ سند پر مشتمل ہے وہ منزل من اللہ نہیں، البتہ صحیح حدیث کے متن کا مفہوم منزل من اللہ ہے۔

۷۔ کتاب وحکمت دونوں الفاظ ہم معنیٰ نہیں ہیں۔ اوپر ثابت کیا جاچکا ہے کہ کتاب اللہ اگرچہ سراپا حکمت ہے لیکن حکمت کا کتاب اللہ میں ہی ہونا اور کتاب اللہ سے باہر نہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ پس کتاب وحکمت میں عینیت (Sameness) نہیں کہ حکمت سے لازماً کتاب اللہ ہی مراد ہو۔ سب کے سب انبیا علیہم السلام صاحبِ کتاب نہیں تھے۔ ان پر وحیِ غیر کتاب کا ہی نزول ہوتا رہا۔ وحیِ کتاب کی طرح وحیِ غیر کتاب میں بھی حکمت ہے۔ سنت کی حیثیت وحیِ غیر کتاب کی ہے، لہٰذا حکمت سے سنت مراد لینا بالکل درست ہے۔

۸۔ سورۂ بنی اسرائیل میں چند اوامر ونواہی اور نصیحتوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ذالك مما اوحىٰ اليك ربك من الحكمة (۸۴/ب)

یہ باتیں حکمت (دانائی) میں سے ہیں جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کی ہیں۔

یہاں ذالک کا اشارہ ان قرآنی نصائح کی طرف ہے جو اس آیت سے پہلے اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ یہاں ''مِن'' تبعیضیہ ہے کہ یہ نصیحتیں حکمت میں سے ہیں۔ ذالک الحکمۃ (یہ حکمت) نہیں فرمایا گیا ہے۔ بل کہ ذالک کے بعد کلمہ من الحکمۃ (یہ حکمت میں سے ہیں) لایا گیا ہے، جس سے واضح ہو رہا ہے کہ قرآن سے باہر غیر قرآنی وحی میں بھی حکمت ہے اور یہ کہ حکمت صرف قرآن کریم میں ہی محصور ومحدود نہیں ہے، جیسا کہ منکرین حدیث نے اس آیت سے غلط استدلال کیا ہے۔ (۸۴/ج)

۹۔ سورۂ احزاب میں ازواجِ رسول کو حکم دیا گیا ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (۸۵/الف)

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

اس آیت سے منکرین حدیث نے یہ استدلال کیا ہے کہ تلاوت تو صرف وحی کتاب کی ہوتی ہے۔ احادیث کو وحی متلو میں شمار نہیں کیا جاتا، لہٰذا سورۂ احزاب کی اس آیت میں حکمت سے مراد قرآنی آیات ہی ہوسکتی ہیں۔ (۸۵/ب) یہ استدلال صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں تلاوت کا لفظ قرآن کریم کی اصطلاحی تلاوت ہی کے لئے مستعمل نہیں بل کہ یہ کسی بھی چیز کو محض پڑھنے کے معنیٰ میں بھی آیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

وَاتَّبَعُوْا مَاتَتْلُو الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ (۸۵/ج)

اور وہ (یہودی) اس چیز (جادو کے کلمات) کے پیچھے پڑ گئے، جو شیاطین سلیمان کی حکومت کے عہد میں پڑھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کا باہم تذکرہ صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہرات کے ہاں عام مروج تھا۔ نیز نماز کے رکوع وسجود کی تسبیحات، تشہد وقنوت کے کلمات اور دیگر اذکار مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا اور یاد کرنا بھی اسی طرح مطلوب ہے، جیسے قرآن کریم کی تلاوت مقصود ہے۔ احادیث کو وحی غیر متلو تغلیباً کہا جاتا ہے کہ اس کے اکثر حصے کی تلاوت مقصود بالذات نہیں ہے لیکن اس کے بعض حصوں کا پڑھنا اور یاد کرنا بھی قرآن کریم کی تلاوت کی طرح مقصود ومطلوب ہے۔ ازواج مطہرات اپنے گھروں میں صرف قرآن کریم کی ہی تلاوت نہیں فرماتی تھیں بل کہ دیگر اذکار وادعیہ بھی پڑھتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے متعلقہ دینی اقوال وافعال کا بھی ذوق وشوق سے باہم تذکرہ کرتی تھیں اور اسے اہم دینی فریضہ سمجھتی تھیں۔

۱۰۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (۸۶/الف)

اور تم اللہ کی طرف اپنے اوپر نعمت کو یاد کرو اور جو کچھ اس نے تم پر کتاب وحکمت سے اتارا ہے وہ تم کو اس (اتاری ہوئی وحی) کے ذریعے نصیحت کرتا ہے۔

منکرین حدیث کا کہنا یہ ہے کہ کتاب وحکمت ایک ہی چیز ہیں، کیوں کہ دونوں کے لئے ضمیر واحد کی لائی گئی ہے۔ اگر کتاب وحکمت دو چیزیں ہوتیں تو آیت میں ''بہ'' کی بہ جائے ''بھما'' کا کلمہ لایا جاتا۔

(۸۶/ ب) یہ استدلال بھی محض فریب نفس ہے۔ اولاً ''بہ'' میں ضمیر کا مرجع ''کتاب وحکمت'' نہیں بل کہ مَا انزل علیکم (جو اس نے تم پر اتارا ہے) اس کا اصل مرجع ہے۔ اس کے بعد آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے کتاب وحکمت دونوں کو اتارا ہے۔ ثانیاً اگر ''کتاب وحکمت'' ہی کو ضمیر کا مرجع قرار دینے پر ناحق اصرار کیا جائے تو بھی منکرین حدیث کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ سورۂ توبہ میں ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (۸۶/ ج)

اور اللہ اور رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ لوگ ان کو راضی کریں۔

دیکھئے یہاں ''یرضوہ'' میں بھی ضمیر واحد لائی گئی ہے، حال آں کہ اللہ اور رسول دونوں کو راضی کرنا لوگوں پر فرض ہے۔ پس یہاں ضمیر کل واحد منهما کی طرف ہے، یعنی اللہ اور رسول میں سے ہر ایک کو راضی کرو۔ اگر یہاں واحد کی ضمیر سے دونوں کے باعتبار وجود ایک ہونے پر استدلال کیا جائے تو اللہ اور رسول ایک ہو جائیں گے۔ اس کا غلط ہونا واضح ہے لہٰذا سورۂ بقرہ کی آیت میں بھی یعظکم به کا معنیٰ ''یعظکم بکل واحد من الکتاب والحکمة'' کا ہے کہ اللہ تمہیں کتاب اور حکمت دونوں میں سے ہر ایک کے ذریعے نصیحت کرتا ہے۔ یعنی ضمیر واحد اس لئے لائی گئی ہے کہ اگرچہ کتاب وحکمت باعتبار وجود الگ الگ ہیں لیکن دونوں وحی الٰہی کی ہی اقسام ہیں اور دونوں ہی لوگوں پر حجت ہیں۔ اسی طرح سورۂ توبہ کی متعلقہ آیت میں ''یرضوہ'' میں ضمیر واحد اس لئے لائی ہے کہ اگرچہ اللہ خالق اور رسول مخلوق ہے لیکن اس کے باوجود دونوں کی رضا ایک ہی ہے۔ جس بات پر اللہ راضی ہے رسول بھی اس پر راضی ہے۔ رسول اپنی رضا کو ہمیشہ اللہ کی رضا کے تابع رکھتا ہے۔ شاذ ونادر صورتوں میں اگر اجتہادی خطا اور نسیان کی بنا پر رسول کی کوئی بات یا اس کا کوئی فعل اللہ کی رضا کے مطابق نہ ہو تو رسول کو لازماً مطلع کر کے اصلاح کر دی جاتی ہے۔ سورۂ انفال میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (۸۷/ الف)

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ جب کہ وہ تمہیں تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں۔

یہاں بھی فعل ''دعاکم'' میں گو صیغہ واحد مذکر غائب کا لایا گیا ہے لیکن مراد یہ ہے کہ اللہ اور رسول میں سے ہر ایک بلائے، کیوں کہ رسول کی طرح اللہ بھی لوگوں کو سلامتی کے راستے کی دعوت دیتا ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ (۸۷/ ب)

اور اللہ تمہیں اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔

واحد کا صیغہ اس لئے لایا گیا ہے کہ اللہ بھی اسی طرف بلاتا ہے جدھر اس کا رسول بلاتا ہے۔ دونوں بہ اعتبار وجود الگ الگ ہیں لیکن دعوت دونوں کی ایک ہی ہے۔ یعنی اسی طرح کتاب اور حکمت (سنت) بہ اعتبار وجود الگ الگ ہیں لیکن مقصد دونوں کا ایک ہی ہے کہ لوگوں کو صراط مستقیم دکھایا جائے۔ پس مذکورہ بالا مواقع میں ضمیر کو واحد لانے سے جس طرح اللہ اور رسول میں عینیت ثابت نہیں ہوتی بالکل اسی طرح سورہ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت میں ''یعظکم بہ'' میں واحد کی ضمیر سے کتاب وحکمت میں عینیت نہیں بل کہ دونوں کے مقصد میں یک سانیت ثابت ہوتی ہے، یعنی دونوں کی علت غائی ایک ہی ہے۔

۱۱۔ چوں کہ کتاب وحکمت کی علت غائی ایک ہی ہے لہٰذا بعض تفسیری اقوال میں اگر کتاب وحکمت سے قرآن مراد لیا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سنت رسول میں حکمت نہیں یا سنت رسول کی ضرورت نہیں۔ حسبنا اللہ (اللہ ہمیں کافی ہے) کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول کی ضرورت ہی نہیں۔ سنتِ رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحیِ غیر کتاب پر مبنی ہے جو وحیِ کتاب (قرآن) ہی کی شرح وتفسیر ہے۔ متن اور شرح دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ متن کے انکار سے شرح کا اور شرح کے انکار سے متن کا انکار لازم آتا ہے جب کہ کتاب کے متن کی شرح خود صاحب کتاب ہی کر رہا ہو۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اس کتاب کی شرح (بیان) بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه (۷۵/ج)

پھر ہمارے ہی ذمے اس (قرآن) کا بیان ہے۔

جب متن اور شرح دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اگر کتاب وحکمت سے ''قرآن'' مراد لیا جائے یا ''قرآن وسنت'' دونوں مراد لئے جائیں تو یہ ایک ہی حقیقت کی دو مختلف تعبیریں ہیں یعنی ایک ہی بات کو بیان کرنے کے یہ دو مختلف طریقے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ اختلاف ونزاع حقیقی نہیں بل کہ محض لفظی ہے۔ اسے حقیقی نزاع قرار دے کر انکار سنت کی راہ ہموار کرنے کا کوئی عقلی ونقلی جواز ہرگز (پھر دہرائیے) ہرگز موجود نہیں ہے۔ جس طرح حسبنا اللہ کی آڑ میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، یعنی حسبنا کتاب اللہ (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) کی آڑ میں سنت رسول کے انکار کی بھی کوئی راہ ہموار نہیں ہوتی۔ کسی بھی قول وفعل کے پیچھے جو نیت اور ذہنیت کارفرما ہوتی ہے، اسی کے پیش نظر اس قول وفعل کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص حسبنا اللہ ونعم الوکیل اس لئے کہتا ہے کہ اس کلمے سے وہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے انکار اور آپ سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو حسبنا اللہ ونعم الوکیل جیسا پاکیزہ اور بابرکت کلمہ بھی اس کے لئے کلمۂ کفر بن جائے گا۔

پس کتاب وحکمت سے صرف قرآن مراد لینے پر اعتراض تب وارد ہوتا ہے جب کہ اس سے بیان قرآن (سنت) کا انکار مقصود ہو۔ اگر بیان قرآن کا انکار مقصود نہیں بل کہ اسے قرآن سے یوں منسلک سمجھا جائے جیسے شرح کو متن کے ساتھ سمجھا جاتا ہے تو کتاب وحکمت سے قرآن مراد لینا یا قرآن وسنت دونوں مراد لینا ایک ہی حقیقت کو ظاہر کرنے کے دو مختلف پیرائے ہیں اور یہ اختلاف محض ظاہری ولفظی اختلاف ہے حقیقی ہرگز نہیں۔

۱۲۔ جب بھی کوئی معلم کتاب کسی کتاب کی لوگوں کو تعلیم دیتا ہے تو وہ صرف کتاب کا متن ہی دہرائے نہیں جاتا بل کہ اپنی طرف سے بھی بہت کچھ بتلاتا ہے۔ یہ کتاب کے مفاہیم ومعانی کی قولی تعلیم ہوئی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں صرف یہی نہیں تھا کہ آپ قرآن کریم کی آیات کی لوگوں پر محض تلاوت فرما دیا کریں اور قرآن کریم کی کتابت ترتیب نزولی کی بہ جائے ترتیب توقیفی کے مطابق کرا دیا کریں بل کہ اس کے معانی اور مفاہیم کی تعلیم، اس کے مجملات ومشکلات کی تشریح وتوضیح بھی آپ کے ذمہ تھی۔ آپ نے خود بھی قرآن پر عمل فرما کر لوگوں کے سامنے جو عملی نمونہ پیش فرمایا تو یہ قرآن کی عملی تعلیم ہوئی۔ اگر کتاب اللہ کے الفاظ وکلمات سراپا حکمت ہیں تو آپ نے اپنے اقوال وافعال سے اس کی جو نظری وعملی تعلیم دی وہ بھلا حکمت سے کیسے خالی ہوسکتی ہے؟ تو کتاب وحکمت سے قرآن مراد لیا جائے یا قرآن وسنت یعنی قرآن اور بیانِ قرآن دونوں مراد لئے جائیں تو بات ایک ہی ہے یعنی ایک ہی حقیقت کو ظاہر کرنے کے دو مختلف انداز اور طریقے ہیں، کیوں کہ قرآن سے بیانِ قرآن بہ اعتبار وجود الگ ہے، بہ اعتبار غرض وغایت الگ نہیں ہے۔ اس سے کسی بھی صورت میں انکار حدیث پر استدلال یا اس کا جواز برآمد نہیں ہوتا۔ فتدبر وتشکر ولاتکن من الجاھلین المتمردین۔

۱۳۔ پرویزی منکرین حدیث کے نزدیک مسلمانوں کا ہر دور کا حاکم اعلیٰ ''مرکز ملت'' ہوتا ہے۔ ان کے بہ قول عوام کے منتخب نمائندوں کی مدد سے دینی مسائل وجزئیات کو متعین کرنے کا ہر دور کا یہ مرکز ملت مکمل مختار ومجاز ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ''مرکز ملت'' کے اس (خود ساختہ) نظریے کے تحت اپنے دور کے اولین مرکز ملت تھے۔ (۸۸/ الف) یہاں یہ دل چسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''مرکز ملت'' کے اس نام نہاد فلسفے کے تحت رسول اکرم ﷺ نے جو دینی جزئیات متعین فرمائیں اور جو احکام وقضایا نافذ فرمائے، کیا ان میں حکمت (دانائی) موجود تھی یا یہ سب احکام وفرامین (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) سفاہت وحماقت کے حامل تھے۔ اگر دوسری شق اختیار کی جائے تو اس کلمۂ کفر سے رسول اللہ ﷺ کی سخت توہین لازم آتی ہے۔ اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو خوب غور کیجئے کہ منکرین حدیث کو ''کتاب

وحکمت'' سے قرآن وسنت مراد لینے سے اس قدر وحشت اور گھبراہٹ کیوں ہونے لگتی ہے اور وہ اس پر کیوں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ کتاب وحکمت سے صرف قرآن مراد ہے۔ منکرین حدیث کے خیال کے مطابق اولین مرکز ملت کی حیثیت سے رسول اکرم ﷺ نے جو دینی جزئیات متعین فرمائی تھیں تو ان کے اجرا کے لئے آپ کے اقوال وافعال کو سنت رسول ہی تو کہا جائے گا۔ پس کتاب وحکمت کے کلمات میں حکمت سے سنت مراد لینے سے جو شدید حساسیت (Allergy) ان منکرین حدیث کو لاحق ہوتی ہے، وہ اس حقیقت ثابتہ کی بھرپور غمازی کرتی ہے کہ یہ لوگ سنت رسول کو سرے سے مانتے ہی نہیں، ورنہ اگر وہ اپنے خود ساختہ اور من گھڑت تصور ''مرکز ملت'' سے واقعی مخلص ہوتے تو حکمت سے ''سنت'' مراد لینے میں ہرگز انہیں کوئی تامل اور تردد نہ ہوتا۔ یہاں وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ گو حکمت سے سنت رسول مراد ہے لیکن آپ کی یہ سنت ہمارے ''نظریہ مرکز ملت'' کے تحت صرف دور نبوی تک صحابہ کرامؓ ہی کے لئے حجت تھی، بعد کے ادوار میں حجت نہ رہی، کیوں کہ ہر دور کا مرکز ملت ہمارے عقیدے کے مطابق سنت رسول میں ترمیم وتنسیخ اور تغیر وتبدل کا حسب موقع وضرورت مکمل مختار ومجاز ہے۔ اس کی بجائے حکمت سے ''سنت'' مراد لینے سے ان منکرین حدیث کا صاف انکار یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ دراصل کسی بھی دور کے لئے سنت رسول کو حجت (واجب التسلیم) نہیں سمجھتے اور ''مرکز ملت'' کا ان کا (بے ہودہ اور لچر) فلسفہ لوگوں کو (اور شاید خود اپنے آپ کو بھی) محض دھوکہ دینے کے لئے تراشا گیا ہے۔ ان کے آئے دن کے بدلتے موقف سے ان کی باتوں میں جو حقیقی تضاد اور اختلاف جنم لیتا ہے اس سے شاید وہ خود بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ تاہم ان کا یہی دل چسپ تضاد انہیں کذاب قرار دینے کے لئے کافی، شافی اور وافی ہے۔ اللہ کے سچے دین کا یہ معجزہ ہے کہ اس میں کج فکری اپنانے والے کا قلب وذہن واقعی ماؤف ہو جاتا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (۸۸/ب)

تو بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں لیکن وہ دل اندھے ہو جایا کرتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

ہے کوئی جو عبرت پکڑے؟

۱۴۔ ممکن ہے کہ منکرین حدیث تنگ آ کر یہ موقف اختیار کریں کہ گو حکمت سے سنت مراد لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے لیکن ہمارے نظریہ ''مرکز ملت'' کے تحت سنت رسول قدیم ومتروک، گزشتہ وارفتہ، از کار رفتہ (out dated) ہونے کی وجہ سے قابل ترمیم وتنسیخ اور لائق تغیر وتبدل ہو گئی ہے، چناں چہ ہمارا مرکز ملت دینی مسائل وجزئیات اب خود متعین کر سکتا ہے، تو اس موقف کا انتہائی لغو ولچر ہونا یوں ظاہر وباہر

ہے کہ سنت رسول اس بیانِ قرآن ہی کا تو نام ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات سے ظاہر فرمایا ہے۔ قرآن کی طرح بیانِ قرآن بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ سورۂ قیامہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه (۸۸/ ج)

پھر اس (قرآن) کا بیان ہمارے ہی ذمے ہے۔

تو یہاں بھی یہ دل چسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا منکرین حدیث کے نزدیک قرآن کریم بھی (معاذ اللہ) قدیم ومتروک، از کار رفتہ (out dated) قابل ترمیم وتنسیخ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو قرآن کریم پر ان کے (نمائشی) ایمان کے دعوے کا پول بہ خوبی کھل گیا، اور اگر نہیں تو قرآن کریم کی طرح بیانِ قرآن بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے تو یہ ان کے نزدیک قدیم ومتروک، قابل ترمیم وتنسیخ اور لائق تغیر وتبدل کیوں کر ہو گیا؟

فما لهؤلاء القوم لايكادون يفقهون حديثا ○ (۸۹/ الف)

تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کسی بات کو سمجھنے کے وہ قریب ہی نہیں پھٹکتے۔

۱۵۔ اگر تنگ آ کر منکرینِ حدیث یہ کہیں کہ قرآن کریم کی طرح بیان قرآن بھی دائمی وآفاقی ہے، لیکن اس بیان قرآن کو پہنچانے والی احادیث ہم تک معتبر اور مستند ذرائع سے نہیں پہنچی ہیں تو یہاں بھی یہ دل چسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کے نزدیک قرآن فہمی بیانِ قرآن پر موقوف ہے یا نہیں؟ اگر موقوف نہیں تو اس بیانِ قرآن کی ضرورت ہی کیا تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے یہ وعدہ ہی کیوں فرمایا تھا اگر قرآن فہمی بیانِ قرآن پر موقوف ہے اور بیانِ قرآن بہ قول منکرین حدیث ان تک معتبر ذرائع سے پہنچا ہی نہیں ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم بیان قرآن کے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے نا قابل فہم ہے تو ایسے نا قابل فہم قرآن پر منکرین حدیث کے ایمان کا دعویٰ بھی نا قابل فہم ہوا۔ بہ الفاظ دیگر انکار حدیث کے ساتھ قرآن پر ایمان کا منکرین حدیث کا دعویٰ محض فریب نفس ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا

د: بہ حوالہ ''مصارف اموال فئے''

سورۂ حشر میں اموالِ فئے کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۸۹/ ب)

اور رسول جو کچھ تمہیں دے اسے لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روکے تو اس سے رک جایا کرو۔

منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق صرف اموال فئے (دشمن سے جنگ کے بغیر حاصل ہونے والے اموال) کے دینے یا نہ دینے سے ہے۔ اس سے احادیث کا دینا بہ قول ان کے مراد نہیں ہوسکتا کیوں کہ احادیث تو اقوال ہیں۔ لوگوں کو اقوال نہیں بل کہ اموال ہی دیئے جاتے ہیں۔ منکرین حدیث کا موقف اگر قطعاً غلط ہے تو یہی بات درست ہے۔ اگر ان کے موقف کو درست قرار دیا جائے تو یہ قول درج ذیل توضیحات کی بنا پر باطل اور مردود ہے:

۱۔ دینے کی چیزیں حواس سے محسوس ہونے والی حسی اور مادی اشیا ہی نہیں بل کہ قرآن کریم میں معنوی عقلی، غیر حسی اور غیر مادی اشیاء پر بھی ایتا (دینے) کا لفظ بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق سورۂ مریم میں ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ○ (۸۹/ج)

اور ہم نے اسے بچپن ہی سے دانائی (بہ صورت نبوت) عطا فرمائی۔

حضرت لقمانؑ کے متعلق سورۂ لقمان میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ (۹۰/الف)

اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی۔

سورۂ کہف میں اصحاب کہف کی دعا یوں منقول ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ○ (۹۰/ب)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمیں اپنے کام کے متعلق درستی میسر فرما۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق سورۂ صٓ میں ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ○ (۹۰/ج)

اور ہم نے اسے حکمت اور فیصلہ کرنے والی بات عطا فرمائی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق سورۂ یوسف میں ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (۹۱/الف)

اور جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم (بہ صورت نبوت) دیا۔

۲۔عربی زبان میں لفظ ''نہی'' (منع کرنے ، روکنے) کے مقابلے میں ''امر'' (حکم دینا) لایا جاتا ہے۔اور نواہی کے مقابلے میں ''اوامر'' لاکر ''اوامر ونواہی'' کہا جاتا ہے۔''اوامر'' وہ کام ہیں جنہیں کرنے کا حکم دیا گیا ہو اور ''نواہی'' وہ باتیں اور کام ہیں جن سے منع کیا گیا ہو۔ یہاں خوب غور کیجئے کہ سورۂ حشر کی زیر نظر آیت میں وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ کے مقابلے میں وَمَا اَمَرَكُمُ الرَّسُوْلُ بِهٖ کے نہیں بل کہ وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ کے کلمات لائے گئے ہیں۔وجہ ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث میں صیغہ امر ونہی سے دیئے جانے والے اوامر ونواہی تو شریعت کا صرف ایک جز ہیں،کل شریعت نہیں۔یعنی سب دینی امور صرف اوامر ونواہی تک ہی محدود نہیں بل کہ (مثلاً) قرآن کریم میں امم سابقہ کے واقعات وقصص،امثال ونظائر اور دیگر مضامین بھی بیانیہ انداز میں مذکور ہیں۔امت کے لئے چوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے دی گئی پوری شریعت کا اتباع مطلوب ومقصود ہے اس لئے وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ کے مقابلے میں وَمَااَمَرَكُمُ الرَّسُوْلُ بِهٖ فَاَطِيْعُوْهُ (اور رسول تمہیں جس بات کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرو) کی بہ جائے وَمَااٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (اور رسول تمہیں جو کچھ بھی دے اسے لیا کرو) کے کلمات لائے گئے تاکہ ان کے مفہوم میں سیاق کلام کے لحاظ سے اموال فئے خصوصاً اور عقائد،عبادات،معاملات،معاشرت اور اخلاق کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی پوری کی پوری دینی تعلیم عموماً شامل رہے،کیوں کہ یہ تصور بہ ذات خود خاصا مضحکہ خیز ہے کہ اللہ کا رسول تمہیں اموال فئے یا اموال غنیمت دیا کرے تو وہ فوراً جھپٹ لیا کرو اور اگر وہ عقائد،عبادات،معاملات واخلاقیات کے متعلق کوئی تعلیم یا حکم دے تو فوراً پیٹھ پھیر لیا کرو۔جب ایتاء (دینے) کے لغوی معانی میں حسی اور معنوی ہر طرح کی اشیا کا دینا شامل ہے تو وَمَااٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ میں پوری شریعت کو شامل نہ کرنے اور صرف اموال فئے تک اسے محدود کردینے پر منکرین حدیث کا اصرار سراسر ضد اور تعصب پر مبنی منفی طرز عمل اور غیر علمی اور غیر سنجیدہ رویہ ہے۔اگر یہاں صرف اور صرف اموال فئے کا دینا اور نہ دینا ہی مراد ہوتا تو وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (اور جس سے وہ رسول تمہیں روکے اس سے رک جایا کرو'' کی بہ جائے وَمَا مَنَعَكُمْ مِنْهُ فَاصْبِرُوْا (اور جس فئے کے لینے سے وہ تمہیں روک دے تو صبر کیا کرو) جیسے کلمات لائے جاتے۔

۳۔ہم منکرین حدیث سے پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو قرآن بھی دیا تھا یا نہیں؟ اگر دیا تھا تو جب یہ کہنا درست ہے کہ آپ نے امت کو قرآن دیا تھا تو یہ کہنا کیوں درست نہیں کہ آپ نے امت کو قرآن کے ساتھ بیان قرآن بھی عطا فرمایا تھا۔جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں آپ سے یوں فرمایا تھا ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ''پھر اس (قرآن) کا بیان بھی ہمارے ہی ذمے ہے''۔اگر اللہ تعالیٰ نے

قرآن کے ساتھ حسب وعدہ وبشارت آپ کو بیانِ قرآن بھی عطا فرمایا تھا تو کیا آپ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) کی صورت میں یہ بیانِ قرآن امت کو بھی عطا فرمایا تھا یا نہیں؟ اگر عطا فرمایا تھا تو ثابت ہوا کہ وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ میں صرف اموال فئے کا ہی نہیں بل کہ قرآن اور بیانِ قرآن (سنت) کی صورت میں پورے دین اور پوری شریعت کا دینا بھی بہ طریق اولیٰ شامل ہے۔ اگر کہا جائے کہ آپ نے بیانِ قرآن امت کو عطا نہیں فرمایا تھا تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) یہ بے ہودہ اور کفریہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ آپ نے اللہ کے حکم کی کوئی پرواہ نہیں کی، حال آں کہ (مثلاً) سورۂ نحل میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۹۱/ب)

اور ہم نے تیری طرف نصیحت (قرآن) کو اتارا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے خوب کھول کر بیان کردے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے۔

جب امت کو بیانِ قرآن عطا نہ کرنے کا مفروضہ غلط، لغو اور لچر ہے تو مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ کے مفہوم میں صرف اموال فئے کا ہی نہیں بل کہ قرآن اور بیانِ قرآن (سنت) سب کا عطا فرمانا بہ خوبی شامل ہے۔

۴۔ اگر منکرین حدیث کے نزدیک اقوال دینے کی چیز نہیں بل کہ صرف اموال ہی دیئے جاتے ہیں تو بتایئے کیا قرآن کریم اموال کا مجموعہ ہے یا اللہ تعالیٰ کے اقوال کا خزینہ ہے؟ اگر قرآن اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مجموعہ ہے اور منکرین حدیث کے اقرار اور اعتراف کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اقوال بہ صورت قرآن لوگوں کو یقیناً عطا فرمائے تو آپ نے بیانِ قرآن بھی اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) کی صورت میں لوگوں کو یقیناً عطا فرمایا۔

۵۔ سورۂ حشر کی زیرِ نظر آیت قرآن کریم کی آخری آیت نہیں ہے کہ اس کے نازل ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو کسی سلی سلائی صورت میں امت کے ہاتھ میں تھما دیا ہو، بل کہ پورا قرآن اترنے کے بعد بھی آپ نے ہرگز اسے یک جا مرتب و مدون کر کے صحابہ کرامؓ کے حوالے نہیں کیا تھا اور قرآنی آیات لکھی لکھائی صورت میں نازل نہیں ہوا کرتی تھیں، لہٰذا منکرین حدیث کا یہاں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ کتاب ایک محسوس و مشاہد شے ہے اس لئے اس پر ایتاء (دینے اور عطا کرنے) کے لفظ کا اطلاق درست ہے لیکن بیانِ قرآن (سنت) پر ایتا (دینے) کا استعمال درست نہیں۔ ہم اوپر نکتہ نمبرا میں واضح کر چکے ہیں کہ لفظ ایتا (دینے) کا استعمال حسی اور غیر حسی ہر طرح کی اشیا پر ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات کو لکھوانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ ان کی تلاوت فرماتے تھے تب ہی تو کاتبین وحی انہیں لکھ سکتے تھے، تو

کیا قرآنی آیات کی کتابت سے پہلے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ ان پر ایمان لانے اور انہیں حجت (واجب التسلیم) سمجھنے کے مکلف و پابند تھے یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ نہیں تھے تو یہ بالاتفاق کلمۂ کفر ہے اور اگر قرآنی آیات کے غیر مکتوبی ہونے کی حالت میں بھی ان پر ایمان لانا اور انہیں حجت (واجب التسلیم) سمجھنا آپ کے لئے اور صحابہ کرامؓ کے لئے ناگزیر تھا تو بعینہٖ اسی طرح بیانِ قرآن بھی مکتوبی صورت میں ہو یا نہ ہو بہ ہر حال لوگوں پر حجت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اقوال کی صورت میں نہ صرف قرآن امت کے حوالے کیا بل کہ اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) کی صورت میں بیانِ قرآن بھی امت کو دیا۔ قرآنی آیات کی کتابت کرانے سے پہلے آپ جو ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے تو اس کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ آپ امت کو قرآن نہیں دیتے تھے۔ بعینہٖ اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ آپ اپنی سنت اور اپنے اسوۂ حسنہ کی صورت میں بیانِ قرآن لوگوں کو نہیں دیتے تھے۔

۶۔ جیسا کہ ہم سابقہ ذیلی عنوان ''کتاب وحکمت'' کے تحت نکتہ نمبر ۱۳ میں بیان کر چکے ہیں، منکرین حدیث کے نزدیک رسول اللہ ﷺ امت مسلمہ کے اولین ''مرکز ملت'' تھے اور ان کے خیال میں ہر مرکز ملت دینی مسائل و جزئیات کو متعین کرنے کا مکمل مجاز و مختار ہوتا ہے۔ یہاں یہ دل چسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بہ طور ''مرکز ملت'' آپ نے از خود یا (بہ قول منکرین حدیث) صحابہ کرامؓ کے مشورے سے دینی جزئیات متعین فرما کر صحابہ کرامؓ کو دی تھیں یا نہیں؟ اگر نہیں دی تھیں تو آپ کو اولین ''مرکز ملت'' قرار دینے کا مطلب کیا ہوا؟ اگر دی تھیں تو اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں کون سا امر مانع ہے کہ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ کے مفہوم میں سب کے سب دینی اصول وفروع شامل ہیں، کیوں کہ اس قسم کے مواقع کے لئے مسلمہ اصول یہ ہے: العبرة للعموم ولا لخصوص المورد یعنی کلام میں اعتبار عموم کا ہوتا ہے نہ کہ کلام کو کسی خاص واقعے کے ساتھ ہی مخصوص کیا جائے، جس کے لئے متعلقہ آیات کا نزول ہوا ہو۔ اس سے یہ ناقابل انکار حقیقت سامنے آتی ہے کہ منکرین حدیث اپنے ہی وضع کردہ (لغو اور باطل) تصور ''مرکز ملت'' سے بھی ہرگز (پھر دہرائیے) ہرگز مخلص نہیں۔ ان کا اس امر پر اصرار اور لایعنی تکرار کہ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ کے مفہوم میں صرف اور صرف اصول فئے ہی داخل ہو سکتے ہیں، ثابت کر رہا ہے کہ وہ سرے سے سنت رسول کے قائل ہی نہیں ہیں ورنہ انہیں وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ کے مفہوم میں پوری شریعت کو داخل کرنے میں ہرگز تامل و تردد نہ ہوتا۔ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ گو وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ میں قرآن پر زائد رسول اللہ ﷺ کے احکام و قضایا اور دینی مسائل و جزئیات داخل تو ہیں لیکن یہ صرف آپ کے دور تک ہی محدود تھے۔ بعد کے ادوار کے مراکز ملت ہمارے عقیدے کے مطابق ان میں ترمیم و تنسیخ کمی و بیشی اور تغیر و تبدل

کے مجاز ہیں۔ تاہم وہ یوں کہتے تب بھی جھوٹے ہی قرار پاتے کیوں کہ جب قرآن اور بیان قرآن دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو قرآن کی کی طرح بیان قرآن (سنت) بھی آفاقی، دائمی، ناقابل تغیر وتبدل اور ناقابل ترمیم وتنسیخ ہے۔ اگر قرآن کریم کے مجملات اور مشکلات کو سمجھنا بیانِ قرآن پر موقوف ہی نہیں تو اس کی ضرورت ہی کیا تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بیانِ قرآن عطا فرمانے کا سورۂ قیامہ میں وعدہ ہی کیوں فرمایا تھا۔ اسی بیانِ قرآن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال افعال اور تقریرات (سنت) کی صورت میں لوگوں کو عطا فرمایا۔ اب اگر سنت رسول کو بیان کرنے والی احادیث منکرین حدیث کے خیال میں ان تک معتبر ومستند ذرائع سے پہنچی ہی نہیں ہیں تو قرآن کریم کے مجمل احکام ومضامین پر عمل قرآن کے ناقابل فہم ہونے کی وجہ سے ناممکن ہوا۔ ایسے ناقابل فہم قرآن پر ان کے ایمان کا دعویٰ بھی ناقابل فہم ہوا۔ پس قرآن پر ان کا (نمائشی) ایمان محض فریب نفس ہوا، گو خود ان کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو، کیوں کہ کج فکری کے ساتھ دینی امور میں کوئی کج بحثی، زبان درازی اور دریدہ دہنی پر بھی اتر آئے تو سنت اللہ کے مطابق ایسے شخص کو تفقہ فی الدین (دینی سوجھ بوجھ) سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ان منکرین حدیث کے نام نہاد مرکز ملت کو از خود یا دوسروں کے مشوروں سے دینی مسائل وجزئیات کو متعین کرنے کی صورت وہیئت میں بیانِ قرآن کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ قرآن کی طرح بیانِ قرآن بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور اس کے مقابلے میں کسی اور کا بیانِ قرآن لازماً اور یقیناً مردود وملعون ہے۔ مذکورہ بالا وضاحتوں کے باوجود اگر منکرین حدیث اس اصرار پر قائم رہیں کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو قرآن دیا ہے لیکن پھر بھی سورۂ حشر کی آیت کے جز وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ کا تعلق صرف اموال فئے سے ہے، تو یہ بات کہتے وقت بھی ان پر کوئی لرزہ طاری نہیں ہونا چاہئے کہ اگرچہ رسول اللہ نے قرآن کے ساتھ بیانِ قرآن بھی امت کو دیا ہے لیکن سورۂ حشر کی اس آیت کا تعلق صرف اموال فئے سے ہے۔ اگر وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو صرف قرآن ہی نہیں بل کہ بیانِ قرآن بھی اپنی سنت اور اپنے اسوۂ حسنہ کی صورت وہیئت میں دیا ہے، تو وہ سورۂ حشر کی آیت کو اموال فئے سے مخصوص کریں یا اس میں عموم تسلیم کرتے ہوئے اس سے پوری شریعت مراد لیں تو دونوں صورتوں میں بیانِ قرآن (سنت) کا حجت (واجب التسلیم) ہونا کسی طرح بھی خلل پذیر نہ ہوا۔ الغرض جب سورۂ حشر کی آیت وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ کو اموال فئے سے مخصوص کر دینے کے باوجود حجیت حدیث قائم ودائم رہتی ہے تو انہیں اس سعی لاحاصل سے آخر حاصل ہی کیا ہوا؟ جس طرح کتاب وحکمت سے صرف قرآن مراد لینے پر زور دینے سے اور جس طرح سورۂ نجم کی آیات وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى میں نطق

رسول سے صرف قرآن مراد لینے پر ناحق اصرار سے بیان قرآن (سنت رسول) کا حجت ہونا قطعاً متاثر نہیں ہوتا، اسی طرح سورۂ حشر کی زیرنظر آیت کو اموال فئے سے مخصوص کرنے پر زور دینے سے اور اس پر ناحق اصرار سے بیانِ قرآن (سنت) کے حجت ہونے کی بھی قطعاً نفی نہیں ہوتی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اگر یہ کہا جائے کہ زید عالم ہے تو اس سے بکر کا جاہل ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بہ الفاظ دیگر ایک حقیقت ثابتہ کے اقرار سے دوسری کسی حقیقت ثابتہ کا انکار ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی اس حقیقت کے وجود کی نفی لازم آتی ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ قرآنی آیات کو اپنی زبان مبارک پر لاتے ہیں تو یہ آیات آپ کی خواہش نفس پر مبنی نہیں بل کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہ ذریعہ وحی حاصل ہوئی ہیں تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ آپ نے اپنے اقوال، افعال اور تقریرات (سنت) کی صورت میں جو بیانِ قرآن امت کو دیا ہے وہ (معاذ اللہ) آپ کی ذاتی خواہشات پر مبنی ہے حال آں کہ قرآن کریم میں صاف مذکور ہے کہ یہ بیان قرآن بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه (۹۱/ج)

پھر اس (قرآن) کا بیان بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے لوگوں کو اموال فئے اور اموال غنیمت دیئے ہیں تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ آپ نے امت کو قرآن نہیں دیا اور یہ بھی کیسے لازم آیا کہ آپ نے اس قرآن کے ساتھ بیانِ قرآن (سنت) امت کو نہیں دیا اور یہ کہ بیانِ قرآن (معاذ اللہ) حکمت سے خالی ہے؟ آپ نے قرآن کریم کی کتابت ترتیب نزولی پر نہیں بل کہ ترتیب توقیفی سے کرائی ہے۔ اگر یہ وحی کے بغیر ہے تو متکلم کے کلام میں اس کی مرضی، اجازت اور اس کے حکم کے بغیر جملوں کو بل کہ رموز اوقاف تک کو مقدم و موخر کر دینے سے تحریف لفظی لازم آئے گی اور مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔ ادھر پورے قرآن میں یہ مضمون نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اس ترتیب توقیفی کا اور پھر اس کے مطابق قرآن کریم کی کتابت کرانے کا اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا تھا یا اجازت دی تھی تو یہ ناقابل انکار اور ناقابل تردید حقیقت سامنے آئی کہ آپ نے یہ سب کچھ غیر قرآنی وحی کی بنا پر کیا ہے۔ وحی قرآنی ہو یا غیر قرآنی ہو، دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ وحی غیر قرآنی کو ہی بیانِ قرآن (سنت) کہا جاتا ہے تو ثابت ہوا کہ قرآن اور بیانِ قرآن (سنت) دونوں وحی سے ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتی خواہش کارفرما نہیں ہے، دونوں ہی لوگوں پر حجت ہیں اور دونوں ہی آپ نے امت کو دیئے ہیں۔ فتدبر وتشکر

۷۔ قرآن کریم کو صحابہ کرامؓ سے زیادہ بہتر سمجھنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ قبیلہ بنی اسد کی ایک

خاتون نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے کہا کہ آپ ان عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے جسم کے اعضا کو گود کر ان میں رنگ بھراتی ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں! میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت کی ہو اور جو خود قرآن میں بھی مذکور ہو۔ خاتون نے کہا کہ میں نے قرآن کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے مجھے تو یہ بات قرآن میں نہیں ملی۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے قرآن کو سمجھ کر پڑھا ہوتا تو تجھے یہ بات قرآن میں یقیناً مل جاتی۔ کیا قرآن میں یہ آیت نہیں ہے:

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۹۲/الف)

ان ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑوں میں دیکھا تو اسے منع فرمایا۔ اس نے کہا کہ مجھے قرآن کی کسی آیت میں حکم دکھایئے تو آپ نے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمادی۔ (۲۹/ب) صحابہ کرامؓ کے اس طرز عمل سے بھی اس اصول کی تصدیق وتوثیق ہوتی ہے کہ اس طرح کے کلام میں اعتبار عموم کا ہوتا ہے نہ کہ کلام کو کسی خاص واقعے اور شان نزول کے ساتھ ہی مخصوص کردیا جائے۔

۸۔ کوئی بھی دینی مسئلہ ایسا نہیں جس کی اصل اور بنیاد قرآن کریم مین موجود نہ ہو، کیوں کہ جو دینی احکام، مسائل اور مضامین قرآن پر زائد ہیں وہ یا تو قرآن میں ہی موجود مجمل، مبہم اور مشکل مضامین واحکام کا وہ بیانِ قرآن (شرح) ہیں جس کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا تھا، یا وہ ایسے مضامین ہیں جو اگرچہ قرآن کریم میں بہ ظاہر مذکور نہیں ہیں لیکن وہ اس معنیٰ میں قرآن میں ہی موجود ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بھی مستقل اطاعت اور آپ کی نافرمانی سے بچنے کا بارہا تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی (۹۲/ج) سورۂ حشر کی زیرنظر آیت میں بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ (دین کے متعلق) رسول جو کچھ بھی تمہیں دے اسے لیا کرو اور جن باتوں اور کاموں سے وہ تمہیں روک دے تو رک جایا کرو۔ لہٰذا حضرت عبداللہؓ بن مسعود جیسے مقتدر اور نہایت جلیل القدر اصحاب رسول کا وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا میں پوری شریعت کو داخل سمجھنا بالکل درست اور عین قرینِ فہم ہے۔ (جاری ہے۔)

حوالہ جات

فتنۂ انکار حدیث پر مضامین کے سلسلے میں منکرین حدیث کی بعض کتب کے متعدد حوالے ''آئینۂ پرویزیت'' مؤلفہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (مکتبۃ السلام، وسن پورہ، گلی نمبر ۲۰، لاہور۔ طبع اول ۱۹۸۷ء) سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب کے بعض اہم متعلقہ مباحث کو ان مضامین میں نئی ترتیب میں نہ صرف سمو دیا گیا ہے بل کہ ان میں بہت سے نئے نکات اور مباحث کا بھی خاصا اضافہ کیا گیا ہے۔

پہلا حصہ: حجیت حدیث

۱۔ (الف) الانعام: ۱۹ (ب) الاعراف: ۱۵۸ (ج) التوبہ: ۱۱۸

۲۔ (الف) غلام احمد پرویز۔ معارف القرآن: ص ۳۴۰ (ب) مجلہ طلوع اسلام دسمبر ۱۹۵۰ء: ص ۱۷ (ج) طلوع الاسلام فروری ۱۹۵۲ء: ص ۲۹۔۳۰

۳۔ (الف) طلوع اسلام جنوری ۱۹۵۲ء: ص ۳۱۔۳۲ (ب) پرویز۔ معارف القرآن: ج ۴، ص ۶۹۴ (ج) طلوع اسلام دسمبر ۱۹۵۰ء: ص ۱۷، ۲۳، ۳۱ ملخصاً

۴۔ (الف) الروم: ۱۔۷ (ب) تفسیر ابن کثیرؒ: سورۂ روم کی ابتدائی آیات (ج) آل عمران: ۷۷

۵۔ (الف) الحجر: ۹۲ (ب) البقرہ: ۶۔۷ (ج) الانشقاق: ۲۱

۶۔ (الف) القصص: ۵۶ (ب) الشوریٰ: ۵۲ (ج) الشوریٰ: ۲۱

۷۔ (الف) التوبہ: ۳۱ (ب) المائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷ (ج) غلام احمد پرویز۔ اسباب زوال امت: ص ۱۰۱

۸۔ (الف) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۴۶، حدیث رقم ۳۲۷ عن المغیرہ للشیخین والنسائی (ب) غلام احمد پرویز۔ قرآنی فیصلے: ص ۱۴ (ج) الشوریٰ: ۵۱

۹۔ (الف) البقرہ: ۹۷ (ب) الشعراء: ۱۹۲۔۱۹۳ (ج) المزمل: ۱۵

۱۰۔ (الف) القیامۃ: ۱۶۔۱۹ (ب) النحل: ۴۴ (ج) البقرہ: ۴۵۔۴۶

۱۱۔ (الف) الانفال: ۶۷۔۶۹ (ب) السیرۃ عالمی شمارہ ۱۳، ربیع الاول ۱۴۲۶ھ۔ اپریل ۲۰۰۵ء: ص ۱۹۱۔۱۹۸ (زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۱۔اے ۴۔۱۷، ناظم آباد ۴، کراچی) (ج) النجم: ۳۔۴

۱۲۔ (الف) یونس: ۱۵ (ب) ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی کتاب العلم (ج) الانعام: ۵۰، یونس: ۱۵، الاحقاف: ۹

۱۳۔ (الف) الاعراف: ۲۰۳ (ب) الانعام: ۱۹ (ج) محمد اسلم جیراج پوری۔ مقام حدیث ص ۱۲۸

۱۴۔ (الف) الحشر: ۷ (ب) سبا: ۵۰ (ج) المائدہ: ۴۴، ۴۷

۱۵۔ (الف) مقام حدیث ص ۲۴۲ (ب) الشوریٰ: ۲۱ (ج) طلوع اسلام جون ۱۹۵۷ء: ص ۵۸

۱۶۔ (الف) غافر: ۲۸ (ب) یونس: ۹۴۔۹۵ (ج) الزخرف: ۸۱ (د) الانفال: ۶۷۔۶۸

۱۷۔ (الف) التوبہ: ۴۳ (ب) الاحزاب: ۲۷ (ج) التحریم: ۱

۱۸۔(الف)التوبہ:۸۴(ب)عبس:۱۔۱۰(ج)النساء:۱۰۵۔۱۰۷

۱۹۔(الف)المنافقون:۷۔۸(ب)التوبہ:۶۴(ج)جمع الفواد:ج۱،ص۵۰۵،حدیث رقم ۹۱۰۴عن عمرو بن العاص للشیخین وابی داؤد

۲۰۔(الف)بنی اسرائیل:۹۳(ب)الکہف:۱۱۰(ج)بائبل:کتاب یرمیاہ۲۳:۱۰۔۱۱

۲۱۔(الف)یرمیاہ۶:۱۳(ب)بائبل:حزقی ایل۱۴:۹(ج)طلوع اسلام جون ۱۹۵۷ء:ص۵۸(د)بخاری،کتاب الاحکام،مسلم:ج۲،ص۷۴،ورواہ ایضاً مالک واحمد والاربعۃ کنز العمال:ج۲،ص۱۱۵

۲۲۔(الف)بخاری۔کتاب التفسیر،باب مایدرعنھا العذاب(ب)نسائی۔کتاب الجہاد،باب ثواب من قتل فی سبیل اللہ(ج)مسلم:ج۲،ص۲۶۴

۲۳۔(الف)کنز العمال:ج۶،ص۱۱۶(ب)البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر:ج۳،۱۴۴ بہ حوالہ ابن ہشام(ج)الصافات:۱۳۹۔۱۴۰

۲۴۔(الف)القلم:۴۸(ب)بخاری،باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ:ج۱،ص۵۵۳(ج)ابن حجر عسقلانیؒ۔الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃ،ترجمہ سراقہ بن مالک

۲۵۔(الف)آل عمران:۱۲۴(ب)الانفال:۹(ج)الانفال:۷

۲۶۔(الف)مسلم:ج۲،ص۱۰۲۔ابوداؤد:ج۲،ص۸۔مشکوٰۃ المصابیح:ج۲،ص۵۴۳(ب)سیرۃ ابن ہشام:ج۱،ص۶۶۱۔۶۶۳۔الخصائص الکبریٰ:ج۱،ص۲۰۸(ج)البقرہ:۱۸۷

۲۷۔(الف)ابن قیم۔زاد المعاد:ج۲،ص۹۷۔۹۸۔سیرۃ ابن ہشام:ج۲،ص۸۸۔عمدۃ القاری شرح بخاری:ج۶،ص۱۳۱۔فتح الباری شرح بخاری:ج۶،ص۶۶(ب)الحشر:۵(ج)آل عمران:۱۶۶

۲۸۔(الف)فتح الباری:ج۷،ص۳۰۴۔۳۰۵۔سنن نسائی:ج۲،ص۵۶(ب)سیرۃ ابن ہشام:ج۲،ص۱۴۵۔البدایۃ والنہایۃ:ج۴،ص۱۱۸ بہ حوالہ صحیح بخاری وسیرۃ ابن اسحاق(ج)الفتح:۲۷

۲۹۔(الف)آل عمران:۱۵۲(ب)الصافات:۱۰۲(ج)فتح الباری:ج۸،ص۱۲۷۔۱۲۸

۳۰۔(الف)الفتح:۱۵(ب)فتح الباری:ج۷،ص۳۶۷(ج)بخاری:ج۲،ص۶۰۸

۳۱۔(الف)بخاری:ج۲،ص۶۱۱ باب غزوہ موتہ من ارض شام(ب)تفسیر ابن کثیر:سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات(ج)فتح الباری:ج۸،ص۱۵۔زرقانی:ج۲،ص۳۳۹۔۳۴۰

۳۲۔(الف)زرقانی:ج۲،ص۳۴۶(ب)سنن ابی داؤد رقم ۲۱۸۳والنسائی فی الکبریٰ رقم ۸۸۷۰(ج)سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ:ج۳،ص۹۲ بہ حوالہ بیہقی وابونعیم۔البدایہ والنہایۃ:ج۵،ص۱۰

۳۳۔(الف)موطا امام مالکؒ:ص۵۰۔البدایۃ والنہایۃ:ج۵،ص۱۸ بہ حوالہ ابن اسحاق(ب)مسلم:ج۲،ص۲۴۶ جمع الفوائد:ج۲،ص۳۷۰ حدیث رقم ۸۴۲۴ للشیخین وابی داؤد مطولاً(ج)عیون الاثر:ج۲،ص۲۲

۳۴۔(الف)البدایۃ والنہایۃ:ج۵،ص۱۸۔۱۹ بہ حوالہ ابن اسحاق(ب)ایضاً:ج۵،ص۱۹۔۲۰۔تفسیر ابن کثیر:سورۂ توبہ:۴۷(ج)زرقانی۔شرح المواہب:ج۲،ص۱۶۳۔طبقات ابن سعد:ج۲،ص۸۹

۳۵۔(الف)التحریم:۳(ب)بنی اسرائیل:۶۰(ج)البقرہ:۱۹۸

۳۶۔(الف)البقرہ:۱۸۵(ب)طٰہٰ:۱۴(ج)البقرہ:۲۳۹

۳۷۔(الف)الانعام:۷۱(ب)الانعام:۷۲(ج)النساء:۱۵

۳۸۔(الف)الانفال:۶۵۔۶۶(ب)البقرہ:۱۸۰(ج)بنی اسرائیل:۹۵

۳۹۔(الف)النساء:۶۴

۴۰۔(الف)المائدہ:۴۴،۴۵،۴۷(ب)بخاری: ج۲،ص۶۲۷۔ فتح الباری: ج۸،ص۸۷۔۹۳(ج)بخاری: ج۲،ص۱۰۵۳

۴۱۔(الف)بخاری: ج۲،ص۱۰۵۴۔مسلم:ج۲،ص۳۹۳(ب)مسلم: ج۲،ص۳۹۰۔ ابوداؤد: ج۲،ص۲۸۲ (ج)مسند احمد: ج۴،ص۲۰۷،۳۷۸

۴۲۔(الف)جمع الفوائد:ج۲،ص۳۶۷ حدیث رقم۸۴۴۹(ب)×(ج)نسائی:ج۲،ص۵۲

۴۳۔(الف)مشکوٰۃ المصابیح: ج۲،ص۵۳۶ بہ حوالہ مسلم (ب) مشکوٰۃ المصابیح: ج۲،ص۵۶۸ بہ حوالہ صحیحین (ج)مشکوٰۃ المصابیح:ج۱،ص۱۶۵ بہ حوالہ صحیحین

۴۴۔(الف)الدارقطنی:ج۲،ص۵۰۸۔مسند ابی داؤد الطیالسی:ص۲۶۶

۴۵۔(الف)المستدرک للحاکم:ج۴،ص۹۸ وصححہ الذہبی(ب)المائدہ:۵۸(ج)الجمعۃ:۹

۴۶۔(الف)یونس:۱۵(ب)المزمل:۱۵(ج)ایضاً:۱۶

۴۷۔(الف)القیامۃ:۱۹(ب)النساء:۷۸(ج)النجم:۲

۴۸۔(الف)النجم:۳۔۴(ب)الشوریٰ:۵۱(ج)البقرہ:۹۷

۴۹۔(الف)الشعراء:۱۹۳۔۱۹۴(ب)القیامۃ:۱۹(ج)غلام احمد پرویز۔معارف القرآن: ج۴،ص۶۹۲

۵۰۔(الف)ایضاً(ب)ایضاً(ج)الشوریٰ:۵۱

۵۱۔(الف)المومنون:۷۱(ب)الصافات:۱۰۲۔۱۰۷(ج)جمع الفوائد:ج۱،ص۴۳، حدیث رقم۲۹۸ للبخاری(ج) البدایۃ والنہایۃ: ج۵،ص۲۰

۵۲۔(الف)جمع الفوائد:ج۱،ص۸، حدیث رقم۱۳(ب)مسلم: کتاب الحدود، باب الزنا(ج)محمد اسلم جیراج پوری۔ مقام حدیث:ص۲۴۲

۵۳۔(الف)القیامۃ:۱۹(ب)محمد اسلم جیراج پوری۔مقام حدیث:ص۱۳۰(ج)حزقی ایل۱۴:۹

۵۴۔(الف)یرمیاہ۶:۱۳(ب)مولانا محمد تقی عثمانی۔علوم القرآن (مکتبہ دارالعلوم کراچی۔۱۴،طبع ششم ۱۴۰۶ ہجری ص۳۶۸ بہ حوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ج۱۸،ص۳۲۲۔۳۲۳ مقالہ پوپ(ج)الانعام:۱۰۶(د)یونس:۱۰۹

۵۵۔(الف)الشوریٰ:۵۱(ب)الشوریٰ:۵۲(ج)الحج:۷۵

۵۶۔(الف)بخاری:ج۱،ص۲(ب)انور شاہ کاشمیریؒ۔فیض الباری:ج۱،ص۱۹۔۲۰(ج)بخاری:ج۱،ص۲

۵۷۔(الف)ابن قیم۔زاد المعاد:ج۱،ص۱۸۔۱۹(ب)النجم:۱۲۔۱۴(ج)جمع الفوائد:۱،ص۱۲۔۱۳، احادیث رقم

۴۲_۳۶

۵۸_(الف) فتح الباری: ج۱،ص۲۲_۲۳ (ب) المستدرک للحاکم: کتاب البیوع ج۲:ص۴ (ج) النساء:۱۶۳

۵۹_(الف) تفسیر ابن کثیر: ج۱،ص۳۰۴ تفسیر آیۃ ومنهم من كلم الله ورفع بعضهم درجٰت (ب) النجم:

۱۰ (ج) مولانا عبدالرحمٰن کیلانی۔ آئینہ پرویزیت:ص۶۰۷

۶۰_(الف) الصافات:۱۰۲_۱۰۷ (ب) الفتح:۲۷ (ج) بخاری: ج۱،ص۴، حدیث رقم ۳

۶۱_(الف) مریم:۱۱ (ب) النحل:۶۸ (ج) الانعام:۱۲۱

۶۲_(الف) الانفال:۱۲ (ب) القصص:۷ (ج) علامہ انور شاہ کاشمیریؒ۔ فیض الباری: ج۱،ص۱۹

۶۳_(الف) غلام احمد پرویز۔ معارف القرآن: ج۴،ص۶۹۲ (ب) المزمل:۱۵_۱۶ (ج) طٰہٰ:۱۳_۱۴

۶۴_(الف) البقرہ:۳۵ (ب) البقرہ:۳۳ (ج) الاعراف:۲۳

۶۵_(الف) البقرہ:۳۷ (ب) ھود:۳۶ (ج) ھود:۳۶_۳۹

۶۶_(الف) الصافات:۱۰۲ (ب) ھود:۶۹_۷۶ (ج) ھود:۸۱

۶۷_(الف) یوسف:۱۵، ۸۹ (ب) الاعراف:۱۱۷ (ج) طٰہٰ:۷۷

۶۸_(الف) البقرہ:۶۷_۷۱ (ب) المائدہ:۱۱۲_۱۱۵ (ج) البقرہ:۲۴۶_۲۴۸

۶۹_(الف) مریم:۷_۱۰ (ب) الصافات:۱۱۷ (ج) المائدہ:۴۴

۷۰_(الف) البقرہ:۲۱۳ (ب) البقرہ۵۳ (ج) الاعراف:۱۴۲_۱۵۱

۷۱_(الف) الصافات:۱۱۷ (ب) الانبیا:۱۰ (ج) المائدہ:۴۸

۷۲_(الف) الاعراف:۱۵۰ (ب) المائدہ:۱۳ (ج) الانعام:۹۲

۷۳_(الف) غلام احمد پرویز۔ قرآنی فیصلے ص۲۱۸ (ب) النمل:۳۰_۳۱ (ج) ایضاً:۳۲

۷۴_(الف) طلوع اسلام فروری ۱۹۸۲ء: ص۱۱ (ب) شرح المواہب الدنیہ: ج۳،ص۱۰۵۔ الرحیق المختوم اردو (مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ۔ المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور) ص۶۱۶ (ج) فتح الباری: ج۹،ص۱۱۔ عمدۃ القاری: ج۲۰،ص۱۷

۷۵_(الف) جمع الفوائد: ج۲،ص۲۴۰ حدیث رقم ۸۴۳۸_۸۴۳۹ (ب) غلام احمد پرویز۔ اسباب زوال امت: ص۵۹، مقام حدیث:ص۲۲۱ (ج) ایضاً

۷۶_(الف) الاعلیٰ:۱۹ (ب) الانعام:۵۰۔ یونس:۱۵۔ الاحقاف:۹ (ج) الاعراف:۲۰۳

۷۷_(الف) الاعراف:۳ (ب) الانعام:۱۰۶ (ج) المائدہ:۶۷

۷۸_(الف) یونس:۱۰۹ (ب) البقرہ:۷۰ (ج) البقرہ:۴

۷۹_(الف) البقرہ:۱۳۶ (ب) المائدہ:۴۴ (ج) المائدہ:۴۷

۸۰_(الف) المائدہ:۴۸ (ب) القیامۃ:۱۹ (ج) المائدہ:۶۶

۸۱_(الف) الانبیا:۴۵ (ب) الانعام:۱۹ (ج) محمد اسلم جیراج پوری۔ مقام حدیث:ص۱۲۸

۸۲۔(الف)الانعام:۵۰۔یونس:۱۵۔الاحقاف۔۹(ب)البقرہ:۱۲۹۔آل عمران۔۱۶۴۔الجمعۃ:۲(ج)القیامۃ:۱۹

۸۳۔(الف)النحل:۴۴(ب)البقرہ:۲۶۹(ج)لقمان:۱۲

۸۴۔(الف)محمد اسلم جیراج پوری۔مقام حدیث:ص۱۲۶(ب)بنی اسرائیل:۳۹(ج)طلوع اسلام جون ۱۹۵۷ء:ص۶۴

۸۵۔(الف)الاحزاب:۳۴(ب)محمد اسلم جیراج پوری۔مقام حدیث:ص۱۲۶(ج)البقرہ:۱۰۳

۸۶۔(الف)البقرہ:۲۳۱(ب)طلوع اسلام:جون ۱۹۵۷ء:ص۶۴(ج)التوبہ:۶۲

۸۷۔(الف)الانفال:۲۴(ب)البقرہ:۲۲۱(ج)القیامۃ ۱۹

۸۸۔(الف)محمد اسلم جیراج پوری۔مقام حدیث:ص۱۳۰(ب)الحج:۴۶(ج)القیامۃ ۱۹

۸۹۔(الف)النساء:۷۸(ب)الحشر:۷(ج)مریم:۱۲

۹۰۔(الف)لقمان:۱۲(ب)الکہف:۱۰(ج)ص:۲۰

۹۱۔(الف)یوسف:۲۲(ب)النحل:۴۴(ج)القیامۃ:۱۹

۹۲۔(الف)تفسیر ابن کثیر:ج۴،ص۳۳۶، روایت عبداللہ بن مسعود بہ حوالہ احمد،شیخین، ابن حاتم (ب) ایضاً (ج)النساء:۸۰

زبدۃ البیان

عام فہم سلیس اور آسان ترجمۂ قرآن

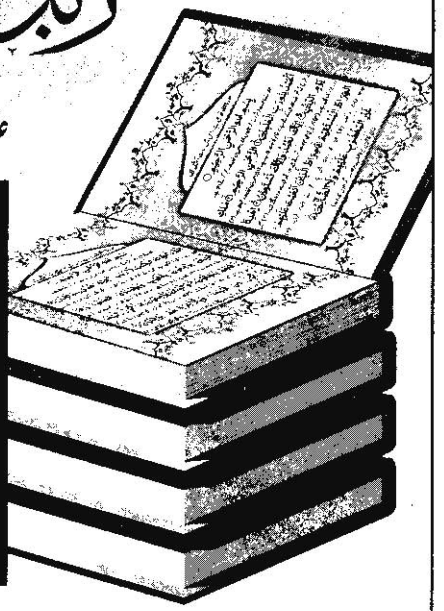

سید فضل الرحمن

- اردو میں نہایت سلیس، عام فہم اور آسان ترجمہ
- قرآن کے الفاظ کے قریب ترین ترجمہ
- عربی کے جو الفاظ اردو میں عام استعمال ہوتے ہیں، انہیں برقرار رکھا گیا ہے
- جہاں بہت ضروری ہوا صرف وہاں حاشئے پر وضاحت کردی گئی ہے

اے-۴/۱۸، ناظم آباد نمبر۴، کراچی-۷۴۶۰۰ فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰

info@rahet.org - www.rahet.org